معارف کا زرتعاون

ہندوستان میں سالانہ ساٹھ روپیے فی شمارہ پانچ روپیے

پاکستان میں سالانہ ایک سو پچاس روپیے

دیگر ممالک میں سالانہ ہوائی ڈاک پندرہ پونڈ یا چوبیس ڈالر

بحری ڈاک پانچ پونڈ یا آٹھ ڈالر

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ :۔ حافظ محمد یحییٰ شیرستان بلڈنگ

بالمقابل ایس ایم کالج ۔ اسٹریچن روڈ ۔ کراچی

- سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں، بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں :

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY AZAMGARH

- رسالہ ہر ماہ کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے، اگر کسی مہینہ کے آخر تک رسالہ نہ پہونچے تو اس کی اطلاع اگلے ماہ کے پہلے ہفتہ کے اندر دفتر معارف میں ضرور پہونچ جانی چاہیے، اس کے بعد رسالہ بھیجنا ممکن نہ ہوگا۔
- خط و کتابت کرتے وقت رسالے کے لفافے کے اوپر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
- معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔

کمیشن ۲۵٪ ہوگا ——— رقم پیشگی آنی چاہیے۔

جلد ۱۵۳ ماہ ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ مطابق ماہ جون ۱۹۹۴ء عدد ۶

مضامین

مقالات

شذرات

آزادی کے بعد مختلف تعمیری وفلاحی منصوبے تشکیل دیے گئے، جن سے ملک میں خوشحالی اور مادی ترقی کی راہیں ہموار ہوئیں اور اس نے سائنس وٹکنالوجی میں برتری حاصل کی لیکن اجتماعی واخلاقی زندگی کا شیرازہ بکھرتا جارہا ہے، اعمال وکردار میں برابر پستی آتی جارہی ہے، زندگی کے تمام شعبوں میں لوٹ کھسوٹ بڑھتا جارہا ہے، شرافت، دیانت، حق، انصاف اور اصول پسندی کا نام ونشان مٹتا جارہا ہے، ہر طرف خودغرضی اور غیرذمہ داری وبائی بیماریوں کی طرح پھیلتی جارہی ہیں، جن لوگوں کے ہاتھوں میں ملک کی باگ ڈور آئی انھوں نے سیاست وحکومت کو خدمت کے بجائے زراندوزی اور جلب منفعت کا وسیلہ بنالیا، ارباب سیاست ہی پر موقوف نہیں ہے ملی ومذہبی رہنماؤں میں بھی اخلاص، بے غرضی اور اعلیٰ وبرتر مقصد زندگی کا تصور مفقود ہوگیا ہے ؎

خانۂ شرع خرابست کہ ارباب صلاح　　در عمارت گری گنبد ودستار خودند

آزادی سے پہلے محکمۂ تعلیم کا حال بہتر تھا، اس سے وابستہ لوگوں کو معزز وبرتر خیال کیا جاتا تھا اور وہ سوسائٹی میں بہت باوقار اور قابل احترام سمجھے جاتے تھے، درسگاہوں کی پاکیزہ، خوشگوار اور پرسکون فضا میں جو لائق وقابل افراد تیار ہوتے تھے وہ آئندہ ملک کے معمار اور قوم کے راہبر ہوتے تھے لیکن اب ان میں بھی ہر طرح کے مفاسد در آئے ہیں اور یہ داخلوں اور امتحانات کی بے ضابطگی اور دھاندلی سے لیکر جعلی ڈگریاں فراہم کرنے کے اڈے بن گئے ہیں، اچھے لائق اور ہونہار طلبہ پر نااہل طلبہ کو ترجیح دی جاتی ہے، اساتذہ کی علمی وتعلیمی استعداد اور اخلاقی سطح بہت گرگئی ہے، علمی وتعلیمی ذوق نہ رکھنے کے باوجود وہ اپنے اثر ورسوخ کی بنا پر اس منصب پر فائز ہوگئے ہیں، تعلیم کا مقصد لائق وقابل افراد اور اچھے

انسان بنانا نہیں رہا، تعلیمی اداروں میں جرائم پیشہ لوگ پرورش پارہے ہیں، مسلمانوں کے زیر انتظام درسگاہوں کا حال بھی کم وبیش ایسا ہی ہے، ان کی عظیم الشان دانشگاہ علی گڑھ کی تصویر طلبہ، اساتذہ اور انتظامیہ نے نہایت بدنما کردی ہے، عربی مدارس اسلام کے قلعے تھے اور یہاں ہر کام خالصاً لوجہ اللہ ہوتا تھا اب وہ بھی جاہ ومنفعت کے حصول کے وسیلے بن گئے ہیں، ہر درسگاہ میں دو متحارب گروہوں کی چپقلش انہیں مقدمہ بازی سے کبھی فارغ نہیں ہونے دیتی، اسلام کے قلعے اسکی صداقت وحقانیت کے بجائے اسکی رسوائی وہواخیزی کا سامان بن گئے ہیں۔

اس علمی وتعلیمی تنزل کو ختم کرنے اور اخلاقی بحران سے ملک کو نکالنے کا کام مسلمان ہی انجام دے سکتے تھے جن کا توحید وآخرت پر ایمان ہے اور جنھوں نے اپنے رسول عربی ﷺ کی تعلیم "مہد سے لحد تک علم حاصل کرو" پر عمل پیرا ہوکر علم وفن کو عروج وارتقا کی آخری حد پر پہنچا دیا تھا، ان کی تحقیق ودریافت نے دنیا کو حیرت زدہ کردیا تھا اور سیرت وکردار کی بلندی کے معترف انکے دشمن بھی تھے، جن کا وجود دنیا کے لیے باعث خیر وبرکت تھا اور جو خلق خدا کو حق کی گواہی دینے کے لیے مامور کیے گئے تھے مگر یہ عجیب انقلاب روزگار ہے کہ اب وہ دربدر کی ٹھوکر کھارہے ہیں، نہ ان میں کوئی خوبی وصلاحیت ہے اور نہ سیرت وکردار کا جوہر، وہ امانت، دیانت، راستبازی اور حق پسندی سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں، ان کا ماحول، ان کے ادارے اور ان کی تعلیم گاہیں بے روح اور شورشوں کی آماجگاہ ہوگئی ہیں، نہ توحید کی امانت ان کے سینوں میں رہی اور نہ آخرت پر ایمان۔ یہ خود گم کردہ راہ ہو وہ دوسروں کی رہبری کیا کرے گا اور کس طرح انہیں تعلیمی واخلاقی بحران سے نکالے گا، اگر مسلمان اپنی حقیقت پہچان لیں تو اپنا اور ساری دنیا کا بھلا کرسکتے

؎ معمار حرم باز بہ تعمیر جہاں خیز

اترپردیش میں اقلیتوں اور پس ماندہ طبقوں کی تائید و حمایت سے بننے والی سماج وادی اور بہوجن سماج پارٹی کی حکومت کی عمر زیادہ نہیں ہے اور اس قلیل عرصہ میں اسے بہت ناساعد حالات سے گزرنا پڑا، رجعت پسند اور فرقہ پرست جماعتوں اور ان لوگوں کو جو کمزوروں اور مظلوموں کا استحصال کرتے رہے ہیں، یہ حکومت ایک آنکھ نہیں بھارہی ہے وہ اس کی راہ میں ہر قسم کی رکاوٹیں اور دشواریاں پیدا کررہے ہیں اور اسے گرادینے کا موقع اور بہانہ ڈھونڈ رہے ہیں تاہم ابھی تک یہ اپنے وجود کو باقی رکھے ہوئے ہے بلکہ اس نے گوناگوں دقتوں اور مشکلات کے باوجود اپنے اہم انتخابی وعدوں کو پورا کرنے کے لیے اقدامات بھی شروع کردیے ہیں، ضمنی انتخابات کے نتائج نے بھی حکومت کی اچھی کارکردگی اور عوامی مقبولیت پر مہر تصدیق ثبت کردی ہے۔

اترپردیش حکومت نے عام لوگوں کو راحت رسانی کے لیے بعض اقدامات کیے ہیں، امن فورس کا قیام، اسکولوں میں اردو ٹیچروں اور سرکاری دفتروں میں اردو مترجمین مقرر کیے جانے کا فیصلہ بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہے جس کی بناپر اقلیت نوازی کا الزام لگاکر وزیراعلیٰ کے خلاف ناحق پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے، امن و امان کا قیام کسی حکومت کی بنیادی ذمہ داری ہے اور اردو کی تعمیر و تشکیل میں ہندو و مسلمانوں نے مل کر حصہ لیا تھا اور وہ اس ملک کا قیمتی سرمایہ اور گنگا جمنی تہذیب کا نمونہ ہے، اسے اس کا جائز اور جمہوری حق دینا مراعات نہیں ہے بلکہ انصاف کا تقاضا ہے، پچھلے تجربات کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ ان فیصلوں کے نفاذ میں بڑی دشواریاں حائل ہوں گی، اردو والوں کا فرض ہے کہ انہیں دور کرکے اس موقع سے فائدہ اٹھائیں، مسلم جماعتوں کو بھی اپنے ہنگامہ و احتجاج پسند مزاج کو تبدیل کرکے ان فیصلوں کے نفاذ میں اپنی توانائیاں صرف کرنی چاہیے۔

مقالات

رسول اکرمؐ کی فصاحت و بلاغت اور آپؐ کے بعض مؤثر اسلوب
صحیح بخاری کی بعض احادیث کی روشنی میں[1]

از ضیاء الدین اصلاحی

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا پیغام و ہدایت دے کر دنیا میں بھیجا تھا، آپؐ نے عرب و عجم، اسود و احمر اور آبی و خاکی سب کو خدا کا یہ پیغام واضح اور دوٹوک انداز میں پہنچا دیا۔ جیسا کہ آپؐ نے فرمایا:

الا ھل بلغت، اللھم اشھد، فلیبلغ الشاھد الغائب

آپؐ کا یہ پیغام حق و صداقت پر مبنی تھا، سچائی میں خود یہ طاقت ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں کو مسخر کرلیتی اور ان سے اپنا لوہا منوالیتی ہے، اسی لیے آپؐ کے شدید مخالفین کو بھی بالآخر حق و صداقت کے سامنے سرنگوں ہونا پڑا۔ لیکن صداقت ہی کی طرح اسے پیش کرنے کے انداز اور طریقے کی بھی بڑی اہمیت ہوتی ہے کیونکہ صحیح اور سچی بات بھی اگر بدنما طریقہ پر کہی اور پیش کی جائے تو وہ بے اثر اور بے وزن ہوجاتی ہے اور اس کی جانب سے طبیعتوں میں انقباض اور بیزاری پیدا ہوجاتی ہے اور

[1] یہ مضمون "حدیث نبوی شریف کی ادبی و فنی خصوصیات" پر رابطہ ادب اسلامی کے سمینار منعقدہ ۲۳،۲۲ / اپریل کو مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی موجودگی میں جامعہ سلفیہ بنارس میں پڑھا گیا اب کسی قدر اضافہ کے بعد اسے معارف میں شایع کیا جاتا ہے۔ (ض)

لوگ اسے ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے، بلند مضمون اور برتر خیال اگر دلکش اسلوب اور موثر پیرایۂ بیان میں ادا نہ کیا جائے تو وہ بے کیف اور لذت و اثر سے خالی رہتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زبان و بیان پر مکمل قدرت تھی اور آپؐ اپنے مافی الضمیر کو خوبصورت الفاظ میں عمدہ طریقے پر پیش کرتے تھے۔ آپؐ کی پرورش قبیلہ بنو سعد میں ہوئی تھی جو اپنی زبان کی صحت و فصاحت کے لیے مشہور تھا اور آپؐ کا تعلق قریش کے خاندان اور بنو عبد مناف کے گھرانے سے تھا جو زبان دانی اور فصاحت و بلاغت میں سب سے ممتاز تھے۔

عرب کے قبائل کے لغات مختلف تھے، ان کے اسالیب اور لہجے جدا تھے لیکن خدا نے پیغمبر آخر الزماںؐ کو تمام لغات اور لہجوں سے واقف کر دیا تھا چنانچہ آپؐ ہر ہر قبیلہ سے اس کے مخصوص لب و لہجہ میں منفرد انداز میں نہ صرف گفتگو فرماتے تھے بلکہ فصاحت اور الفاظ کے صحیح انتخاب اور برمحل استعمال اور عبارت کی وضاحت میں سب پر فائق رہتے تھے۔ اس سلسلہ کی سب سے اہم بات یہ ہے کہ آپؐ پر قرآن مجید نازل ہوا تھا جس سے زیادہ فصیح و بلیغ کلام کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی زبان و اسلوب اور طرزِ ادا کا اثر بھی آپؐ کے کلام پر پڑا تھا۔ ان واضح اسباب کے علاوہ فصاحت، بلاغت اور زبان دانی کا ملکہ آپؐ میں فطری اور خداداد تھا چنانچہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:۔

ادبنی ربی فاحسن تادیبی[1] — میرے خداوند نے مجھے اچھی طرح سکھایا۔

آپؐ سے یہ بھی منقول ہے کہ:

انا افصح العرب — میں فصیح ترین عرب ہوں۔

[1] ابن السمعانی فی ادب الاملاء عن ابن مسعود بحوالہ الجامع الصغیر للسیوطی جلد اول ص ۲۲۔

آپؐ کو خدا نے جوامع الکلم عطا کیا تھا:۔

بُعثت بجوامع الکلم[1] — میں جامع کلمات دیکر بھیجا گیا ہوں۔

اس لیے آپؐ کی فصاحت و بلاغت مسلم ہے جس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

فصیح کلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ سادہ، سلیس، آسان اور سریع الفہم ہوتا ہے، سننے والے کو اسے سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی، اس کے الفاظ نہ مشکل، ثقیل اور نامانوس ہوتے ہیں اور نہ بولنے والے کو اس کے ادا کرنے میں دشواری ہوتی ہے، سننے والے کو بھی یہ ناگوار نہیں معلوم ہوتے، یعنی وہ کلام صوتی و سماعی تنافر سے پاک ہوتا ہے، اس کی عبارت اور ترکیب میں اغلاق، تعقید اور پیچیدگی نہیں ہوتی اسی لیے حضرت موسیٰؑ نے خدا سے دعا کی تھی۔

رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي	اے میرے رب میرے سینے کو میرے
أَمْرِي وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي	لیے کھول دے، اور میری مہم کو آسان
يَفْقَهُوا قَوْلِي	کر اور میری زبان کی گرہ کھول دے
(طٰہٰ ۲۰ - ۲۵ - ۲۸)	کہ لوگ میری بات سمجھیں۔

بلیغ کلام کا رتبہ اس سے بھی سوا ہوتا ہے، وہ فصیح کلام کی خوبیوں کا متضمن ہونے کے علاوہ اپنے مقصود و مدعا کے لحاظ سے بالکل عیاں اور مقتضائے حال کے مطابق ہوتا ہے، اس میں کہیں سے نہ کوئی جھول ہوتا ہے اور نہ اس کا کوئی گوشہ مخفی و مستور ہوتا ہے کہ یہ کہا جا سکے کہ المعنی فی بطن الشاعر۔ اگر کسی کلام میں دور از کار

[1] صحیح بخاری کتاب التعبیر۔

تخیلات اور غیر ضروری محذوفات ہوں تو وہ تاثیر اور دل نشینی سے خالی ہوگا اور سننے والا اس سے اچھی طرح لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔ نپا تلا اور حشو و زوائد سے پاک کلام ہی بلیغ ہوتا ہے۔

اس حیثیت سے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ سرورِ دو عالمؐ کا کلام فصاحت و بلاغت کا درخشاں نمونہ اور ادبی حلاوت اور چاشنی سے معمور ہے، آپؐ کی زبانِ مبارک سے جو لفظ اور جو فقرہ بھی ادا ہوتا تھا وہ ادب و انشا کی لطافت، رعنائی بیان اور حسنِ تعبیر کا ضامن اور بلاغت کی جان ہوتا تھا، اس کی تاثیر، دل نشینی، دل کشی اور دل آویزی حدِ بیان سے باہر ہے، آپؐ کے مکتوبات، خطبے، احادیثِ مبارکہ، ارشاداتِ عالیہ یہاں تک کہ آپؐ کی روزمرہ گفتگو بھی حشو و زوائد اور تکلف و تصنع سے پاک اور ماقل و دل ہوتی تھی، روانی، برجستگی، سلاست، شگفتگی اور سادگی و پرکاری اسکا طرۂ امتیاز ہوتا تھا۔

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم   کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جاست

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور سوانح نگار قاضی عیاضؒ نے لکھا ہے:

"زبان کی فصاحت اور کلام کی بلاغت میں آپؐ کا درجہ بہت بلند تھا، اسکے ساتھ ہی آپؐ میں سلاست وجودتِ طبع، انوکھا انداز اور ایجاز بھی تھا، الفاظ کی فصاحت اور معانی کی صحت میں بھی آپؐ حدِ کمال پر فائز تھے، آپؐ کی گفتگو میں تکلف اور لفظوں میں تنافر نہیں ہوتا تھا، آپؐ کو جوامع الکلم اور بدائع حکم عطا کیے گئے تھے، آپؐ عرب کی مختلف زبانوں سے واقف تھے اور ہر قوم و قبیلے سے اس کی زبان میں گفتگو فرماتے اور سب سے ممتاز اور فائق رہتے"[1]

عربی زبان و ادب کا مشہور ادیب اور نامور انشاپرداز جاحظ رقمطراز ہے:۔

"آپؐ کے کلام میں حروف کم اور معانی زیادہ ہوتے ہیں، وہ تکلف اور بناوٹ سے پاک ہوتا ہے، جہاں بسط و تفصیل کا موقع ہوتا ہے وہاں آپؐ شرح و بسط سے کام لیتے تھے اور جہاں اختصار کا اقتضا ہوتا تھا وہاں مختصر بات کرتے تھے، اجنبی، نامانوس، مبتذل اور بازاری الفاظ کے استعمال سے پرہیز کرتے تھے، جو کچھ بھی فرماتے تھے وہ حکمت کا انمول خزانہ ہوتا تھا اور عصمت و پاکیزگی اس پر چھائی ہوئی ہوتی تھی، ایسے ہی کلام کو اللہ محبوبیت و مقبولیت بخشتا ہے اور وہ وقار و ہیبت کا حامل ہوتا ہے، مختصر اور قلیل ہونے کے باوجود وہ اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے، سننے والے کے سامنے اسے دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی کیونکہ اس میں کوئی لفظ ساقط نہیں ہوتا ہے"[2]

ذیل میں صحیح بخاری سے جسے اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہا جاتا ہے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اسالیب کی رو سے آپؐ کے فصیح و بلیغ کلام کے کچھ نمونے پیش کیے جاتے ہیں:۔

استفہام | استفہام عربی زبان کا ایک خاص اسلوب ہے جس کا مقصد محض استفہام اور کسی سے کوئی بات دریافت کرنا ہی نہیں ہوتا بلکہ یہ مختلف اغراض و مقاصد کیلئے

---

[1] شفائے قاضی عیاض مع شرح نسیم الریاض للخفاجی ج ۱ ص ۴۰۷ تا ۴۰۹ مطبع عثمانیہ ترکی ۱۳۱۲ھ

[2] بحوالہ مصطفیٰ صادق رافعی اعجاز القرآن والبلاغۃ النبویہ ص ۲۹۴ و ۲۹۵ مطبع رحمانیہ مصر ۱۹۲۶ء/۱۳۴۰ھ۔

آتا ہے اور متعدد اور گوناگوں پہلوؤں کا متضمن ہوتا ہے۔ یہ کبھی استبعاد و تحقیر، زجر، تنبیہ، استعجاب، اثبات، نفی، امر و تاکید کے لیے آتا ہے تو کبھی اقرار و استدلال نیز کسی امر پر مزید غور و فکر کی دعوت دینے کے لیے بھی آتا ہے جس کا پتہ سیاق و سباق اور موقع و قرینہ سے چلتا ہے۔ استفہام کے اسلوب سے کلام میں زور و قوت کا اضافہ ہوتا ہے، اس کی تاثیر اور جاذبیت بڑھ جاتی ہے اور بلاغت و لطافت دوچند ہو جاتی ہے۔ اس روشنی میں آگے کی بحث اور مثالیں ملاحظہ ہوں :۔

یہ بات بداہتًہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی اور آپؐ کے زریں ارشادات دراصل قرآن مجید کی تشریح و تفسیر ہیں۔ نماز اسلام کا عظیم الشان رکن ہے، جس کی حقیقت ذکر الٰہی ہے، قرآن مجید میں کہا گیا ہے :۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ (طٰہٰ: ۲۰-۱۴) اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔

اللہ کو یاد کرنے والا کبھی معصیت، بیہودگی، فحشا اور منکر کا مرتکب نہیں ہو سکتا، اسی حقیقت کو زیرِ نظر آیت میں یوں بیان کیا گیا ہے :۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ اِنَّ الصَّلٰوۃَ — اور نماز قائم کرو بے شک نماز بے حیائی

تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ — اور منکر سے روکتی ہے اور اللہ کی یاد

وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ (عنکبوت ۲۹: ۴۵) — بہت بڑی چیز ہے۔

آنحضرت صلعم نے اس کی جو عمدہ، بلیغ اور موثر تشریح فرمائی ہے اس پر طبیعت وجد کرنے لگتی ہے، ملاحظہ ہو :۔

ارأیتم لو ان نھرا بباب احدکم — غور کرو اگر کسی کے دروازے کے

یغتسل فیہ کل یوم خمسا — پاس کوئی دریا ہو جس میں وہ روزانہ

ماتقول ذلک یبقی من درنہ — پانچ مرتبہ غسل کرے تو کیا اس کا میل

قالوا لا یبقی من درنہ شیئًا — کچیل باقی رہے گا، لوگوں نے کہا

قال فذلک مثل الصلوٰت — نہیں اس کا میل باقی نہیں رہے گا

الخمس یمحو اللہ بہ الخطایا — تو آپؐ نے فرمایا ٹھیک یہی حال پنجوقتہ

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۷، کتاب مواقیت — نمازوں کا ہے جن کی وجہ سے اللہ

الصلوٰۃ مطبع کرزن دہلی ۱۳۲۲ھ) — خطاؤں کو محو اور زائل کر دیتا ہے۔

غور کیجیے کتنی واضح، مدلل، موثر اور دلنشین بات فرمائی گئی ہے جس میں کہیں سے اغلاق اور پیچیدگی نہیں ہے، استفہام اور تشبیہ و تمثیل نے کلام میں جو عظمت، تاثیر، دلآویزی، لطافت، خوبی اور زور و اثر پیدا کر دیا ہے اس کو بیان کرنا مشکل ہے۔ اس سے بلیغ و موثر انداز بیان کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

جب یہ آیت نازل ہوئی کہ :۔

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ — اور اپنے قریبی خاندان والوں کو

(شعراء ۔ ۲۶ : ۲۱۴) — ڈراؤ!

تو اس کی تعمیل میں آپؐ نے قریش کو جو آپؐ کے ہم خاندان تھے اکٹھا کرنے کے لیے کوہِ صفا پر چڑھ کر پکارا یا صباحاہ ۔ یہ لفظ عرب میں اس وقت بولا جاتا تھا جب صبح کے وقت کوئی قبیلہ دوسرے قبیلہ پر دفعتًہ غارت گری کے لیے ٹوٹ پڑتا تھا، چنانچہ جب لوگوں نے یہ آواز سُنی تو چونک اٹھے اور آپؐ کے گرد جمع ہو گئے، آپؐ نے ارشاد فرمایا :۔

ارأیتم ان اخبرتکم ان — تمہیں بتاؤ اگر میں تمہیں خبر دوں کہ

خیلا تخرج من سفح ھذا الجبل اکنتم مصدقی

اس پہاڑ کے دامن سے ایک فوج نکلا چاہتی ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے۔

سب نے بیک زبان ہو کر کہا ماجربنا علیک کذبا (ابھی تک آپؐ کی نسبت ہمیں کسی دروغ گوئی کا تجربہ نہیں) لوگوں کے اس اقرار کے بعد آپؐ نے اپنا مقصد بالکل غیر مبہم انداز میں اس طرح بیان کیا:۔

انی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید[1]

میں تمہیں ایک ایسے سخت عذاب سے ڈراتا ہوں جو تمہارے سامنے ہے۔

کیا اس سے بڑھ کر موثر اور دلکش کوئی پیرایۂ بیان ہو سکتا ہے، گو ابولہب کی شقاوت نے آپؐ کی بات مکمل نہیں ہونے دی، تاہم اس موقع پر آپؐ نے جو ادھوری بات فرمائی اس کے زور بیان اور بلاغت کی داد نہیں دی جا سکتی پھر اپنی بات کو پیش کرنے کے لیے آپؐ نے جو اسلوب و انداز اختیار کیا وہ کتنا خوبصورت اور انوکھا تھا۔ کلام کے اس زور اور اثر آفرینی میں بڑا دخل آپؐ کے حسن تعبیر، جدت ادا اور پیرایۂ استفہام کو ہے، جاحظ کا خیال ہے کہ آپؐ اپنے فریق کو خاموش کرنے کے لیے وہ طریقہ اختیار کرتے تھے جو خود اس کے نزدیک معروف اور تسلیم شدہ ہو اور سچائی سے اس پر حجت قائم کرتے تھے اور حق کے ذریعہ اس پر فتح و غلبہ حاصل کرتے تھے۔[2]

[1] صحیح بخاری کتاب التفسیر تبت یدا ابی لہب ج ۲ ص ۷۴۳ مطبع کرزن پریس دہلی ۱۳۳۵ھ

[2] بحوالہ اعجاز القرآن والبلاغۃ النبویہ مصطفیٰ صادق رافعی ص ۲۹۵ مطبع رحمانیہ مصر ۱۹۲۲/۱۳۴۰ھ۔

اس گفتگو سے جاحظ کے خیال کی مکمل تصدیق ہوتی ہے، اس کے خیال کی تائید کے لیے ہم ایک دوسرا واقعہ نقل کرتے ہیں اس میں بھی حسن تعبیر، جدت ادا اور استفہام نے بات کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے۔

غزوۂ حنین میں آپؐ نے مولفۃ القلوب کو تمام مال غنیمت دے دیا اور انصار محروم رہ گئے اس کی وجہ سے انہیں شکایت پیدا ہوئی کہ پیغمبر قریش کو دیتے ہیں اور ہم کو چھوڑ دیتے ہیں حالانکہ ہماری تلواروں سے خون ٹپک رہا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو انصار کو ایک خیمہ میں جمع کر کے اصل حقیقت دریافت فرمائی، انھوں نے تسلیم کیا کہ آپؐ کو صحیح معلوم ہوا ہے، انصار کے بعض لوگوں نے کہا کہ یہ بات چند نوجوانوں نے کہی ہے، معمر اور صائب الرائے لوگوں نے نہیں کہی ہے، آپؐ نے فرمایا،

یا معشر الانصار الم اجدکم ضلالا فھداکم اللہ بی وکنتم متفرقین فالفکم اللہ بی وعالۃ فاغناکم اللہ بی

اے انصار کے گروہ! کیا میں نے تم کو گمراہ نہیں پایا پس خدا نے میری وجہ سے تمہیں ہدایت دی، تم متفرق تھے، خدا نے میری وجہ سے تم کو مجتمع کر دیا، تم محتاج تھے، خدا نے میری وجہ سے تم کو غنی کر دیا۔

دیکھئے یہاں استفہام سے سوال و جواب مقصود نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت ثابتہ اور تسلیم شدہ امر کا اقرار و اعتراف کرایا جا رہا ہے اور انصار کے رویے پر تعجب کا اظہار بھی کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ وہ ہر بات اور ہر سوال پر کہتے جاتے تھے کہ خدا اور

اس کا رسولؐ بہت امین ہے، آپؐ نے فرمایا یہ کیوں نہیں کہتے کہ اے محمدؐ تم اس حالت میں آئے تھے کہ لوگ تمہاری تکذیب کرتے تھے، ہم نے تمہاری تصدیق کی، تمہارا کوئی مددگار نہ تھا، ہم نے تمہاری مدد کی، تم گھر سے نکالے گئے تھے، ہم نے تم کو گھر دیا، تم محتاج تھے، ہم نے تمہاری غمخواری کی، اس کے بعد آپؐ نے فرمایا:

أترضون ان یذهب الناس	کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ لوگ
بالشاۃ والبعیر وتذهبون	اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور
بالنبی الی رحالکم فواللہ لما	تم اپنے گھروں میں خود پیغمبرؐ کو لیکر
تنقلبون بہ خیر مما ینقلبون	جاؤ، خدا کی قسم تم لوگ جو لیکر واپس
	جاتے ہو وہ اس سے بہتر ہے جسے
	تمام لوگ لے کر جاتے ہیں۔

اس پر تمام انصار کے لوگ پکار اٹھے رضینا[1] (ہم سب راضی ہیں)

اس ارشاد گرامی کے وجوہ بلاغت حد بیان سے باہر ہیں، یہاں بھی استفہام اور طرز ادا کی بداعت نے کلام میں جو لطف و اثر پیدا کر دیا ہے اس کی داد علمائے بلاغت و معانی ہی دے سکتے ہیں۔

صحیح بخاری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے مہتم بالشان خطبہ، حجۃ الوداع کا بھی ذکر ہے جو دراصل انسانیت کا منشور، اسلام اور اسلامی شریعت کے احکام و ہدایات کا مجموعہ ہے، اس میں بھی استفہام کے اسلوب اور پیرایہ نے جو زور، اثر، روانی اور سلاست پیدا کر دی ہے وہ افصح العرب کی فصاحت و بلاغت

[1] صحیح بخاری کتاب المغازی غزوۃ حنین ج ۲ ص ۶۲۰۔

اور قدرت بیان کا معجزہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے منیٰ میں ارشاد فرمایا:

أتدرون ای یوم هذا قالوا	کیا جانتے ہو یہ کون سا دن ہے؟
اللہ ورسولہ اعلم قال فان	لوگوں نے جواب دیا کہ اللہ و رسولؐ
هذا یوم حرام أفتدرون	کو اس کا بہتر علم ہے آپؐ نے فرمایا
ای بلد هذا قالوا اللہ ورسولہ	یہ یوم الحرام ہے، پھر دریافت فرمایا
اعلم قال بلد حرام قال أتدرون	کیا معلوم ہے کہ یہ کون سا شہر ہے
ای شهر هذا قالوا اللہ و	لوگوں نے کہا اللہ و رسولؐ کو زیادہ
رسولہ اعلم قال شهر حرام	علم ہے، ارشاد ہوا کہ یہ بلد الحرام
	ہے، پھر سوال کیا، کیا جانتے ہو کہ
	یہ کون سا مہینہ ہے لوگوں نے کہا
	اللہ اور اسکے رسول کو اس کا علم
	ہے، ارشاد ہوا شہر حرام۔

اس سوال و جواب کے بعد اصل مدعا کو نہایت موکد اور بلیغ اسلوب میں یوں ادا کیا:

فان اللہ حرم علیکم دماءکم	خدا نے تمہارا خون، تمہارا مال،
واموالکم واعراضکم کحرمۃ	تمہاری آبرو تم پر اس مہینہ میں،
یومکم هذا فی شهرکم هذا	اس شہر میں، اس دن کی حرمت
فی بلدکم هذا۔	کی طرح حرام کیا۔

آپ خدا کے آخری نبی تھے اور آپ کو دیا جانے والا دین مکمل ہو چکا تھا اس لیے اس بات کی ضرورت تھی کہ آپ امت کو یہ بتادیں کہ آپ نے خدا کے دین کو اس تک بے کم و کاست پہنچا دیا ہے اور آپ سے ہدایت ربانی کو لوگوں تک پہنچانے میں کوئی کمی اور کوتاہی نہیں ہوئی ہے، اسی مقصد سے آپ اپنا ایک ایک تعلیم و ہدایت بیان کرنے کے بعد لوگوں سے اس کا اقرار بھی کراتے جاتے تھے اور انہیں اس امر سے آگاہ بھی فرماتے جاتے تھے کہ دیکھو اچھی طرح کان کھول کر سن لو کہ میں نے خدا کے دین کو اور اس کے پیغام کو پہنچا دیا، اس پر خود اللہ تعالیٰ شاہد ہے، اس کے بعد میں بری الذمہ ہو گیا ہوں، اب یہ تم لوگوں کا کام ہے کہ جو لوگ میری باتیں نہیں سن رہے ہیں اور جو یہاں موجود نہیں ہیں انہیں بھی میری باتیں بتا اور سنا دو، اسی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے آپ نے اس قدر بلیغ اور موثر پیرایہ بیان اختیار فرمایا کہ:

الا هل بلغت، اللهم اشهد
فليبلغ الشاهد الغائب [1]

خبردار! (کان کھول کر سن لو کہ) میں نے (خدا کا پیغام) پہنچا دیا اور بری الذمہ ہو گیا) خداوندا تو گواہ رہنا کہ میں نے تیرا پیغام لوگوں کو پہنچا دیا اب) موجود لوگوں کو چاہیے کہ وہ غیر حاضر لوگوں کو (بھی خدا کا پیغام) پہنچا دیں۔

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۹۲ کرزن پریس دہلی ۱۳۲۵ھ۔

اس زور کلام اور خوبصورت پیرایۂ بیان کی کوئی مثال نہیں مل سکتی۔ اس طرح کی مثالیں کلام نبوی میں متعدد اور گوناگوں ہیں۔ آگے صحیح بخاری سے آپ کے اسلوب اور طریقۂ بیان کے بعض اور پہلوؤں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

تشبیہ و تمثیل

استعارہ، تشبیہ اور تمثیل فصیح و بلیغ کلام کا ضروری عنصر ہے جو اس کے عارض و مستحسنات میں خیال کیے جاتے ہیں، زبان و بیان کے لیے ان کی حیثیت خط و خال یا زیور جیسی ہوتی ہے جس کے بغیر ان کا حسن و جمال قائم نہیں رہ سکتا۔ ان کی وجہ سے مفہوم و معنی قریب الفہم ہو جاتا ہے اور نازک تشبیہ و تمثیل اور لطیف استعارے سے کلام میں جو زور، قوت، اثر اور وسعت پیدا ہوتی ہے وہ کسی اور ذریعہ سے ممکن نہیں ہوتی، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں بھی اس کا اہتمام کیا گیا ہے اور اس میں تشبیہ و تمثیل کا اسلوب جابجا ملتا ہے، یہاں صحیح بخاری سے اس کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

صدقہ کرنا یا کسی کو کوئی چیز ہدیۃً دے دینا یا ہبہ کر دینا انسان کا ایک ممتاز وصف اور اس کی نمایاں اخلاقی خوبی ہے، لیکن اگر کوئی چیز صدقہ کرنے یا ہدیہ اور ہبہ کرنے کے بعد واپس لے لی جائے تو یہ نہایت ہی قبیح اور مذموم فعل ہو جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی شناعت و قباحت کو اس مختصر فقرے میں تشبیہ کا پیرایہ اختیار کر کے اس طرح واضح کیا ہے:

فان العائد فی صدقته
کالعائد فی قیئه [1]

صدقہ کر کے اسے واپس لینے والا
اس شخص کے مانند ہے جو قے کر کے

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰۲ کتاب الزکوٰۃ باب ہل یشتری صدقته۔

اسے دوبارہ کھائے۔

گویا صدقہ و خیرات کو واپس لینا تھوک کر چاٹنا یا قے کر کے اسے دوبارہ نگل جاتا ہے، ایسے کریہہ اور گھناؤنے فعل کو کوئی سلیم الطبع شخص پسند نہیں کرتا۔

دنیا سرائے فانی ہے لیکن ہر شخص اس کے پیچھے دیوانہ ہو رہا ہے اور اس کے مال و اسباب کو حاصل کرنے کے لیے جائز ناجائز، گھٹیا اور پست طریقہ اختیار کرتا ہے۔ انسان کی حرص و آز نے اسے اندھا بہرا بنا دیا ہے، دنیا کی محبت میں اس کی یہ وارفتگی ظاہر کرتی ہے کہ انسان کو ہمیشہ یہیں رہنا ہے جبکہ روزآنہ کا مشاہدہ اور تجربہ یہ ہے کہ نہ کوئی ہمیشہ یہاں رہتا ہے اور نہ مرنے کے بعد اپنا ساز و سامان یہاں سے اپنے ساتھ لے کر جاتا ہے۔ اس ناپائیدار، عارضی اور غیر مستقل دنیا میں آدمی کو جس طرح رہنا چاہیے اسے رسول اللہؐ نے بڑی موثر اور بلیغ تشبیہ کے پیرائے میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

كن في الدنيا كأنك غريب	دنیا میں مسافر بلکہ راہ گیر کے مانند
او عابر سبيل[1]	رہو۔

جس طرح کوئی مسافر اور راہ گیر راستے اور غربت کو اپنی اصلی منزل سمجھ کر وہاں اپنے لیے آرام وہ اور آسائشوں اور راحتوں سے پُر مکان نہیں بناتا بلکہ مختصر سے مختصر زادِ راہ پر قناعت کرتا اور بے سرو سامانی کے عالم میں ہر لمحہ بے چین اور بے قرار رہتا ہے، دنیا کی منزلِ فانی میں رہنے والوں کا حال بھی یہی ہونا چاہیے، انھیں دنیا کو اپنا ملجا و ماویٰ نہیں سمجھنا چاہیے یہاں بقدر کفاف پر گذر بسر کر کے

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۴۹ کتاب الرقاق باب قول النبیؐ کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل۔

اصلی منزل کی طرف رواں دواں رہنا چاہیے۔

غور کیجیے تشبیہ نے بات کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا اور ایک مختصر کلام کو کس درجہ بلیغ، موثر اور پُر معنی بنا دیا جس سے دنیا کی بے ثباتی، ناپائداری اور بے قیمتی کی حقیقت بھی ظاہر ہو گئی اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ یہاں رہنے سہنے کا کیا انداز ہونا چاہیے۔

یہ ایک عام اور پامال مضمون ہے کہ آدمی کو اچھے اور نیک لوگوں کی صحبت میں رہنا اور برے اور بد لوگوں کی صحبت سے پرہیز کرنا چاہیے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشبیہ و تمثیل کا انوکھا اسلوب اختیار کر کے اس معمولی بات میں ندرت و تازگی اور دلکشی پیدا کر دی ہے، تشبیہ و تمثیل دلیل کے طور پر بھی لائی جاتی ہے چنانچہ یہ بات کہ آدمی کو صالح شخص کی صحبت میں رہنا اور طالح کی صحبت سے باز رہنا چاہیے۔ بظاہر ایک مجرد دعویٰ ہے لیکن اگر اس کی دلیل بھی بیان کر دی جائے تو یہ عام بات مدلل ہونے کی بنا پر نہایت موثر، بلیغ اور پُر زور ہو جائے گی، اس روشنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی پر غور کیجیے:

مثل الجليس الصالح والجليس	نیک اور بد ہم نشیں کی مثال مشک
السوء كمثل صاحب المسك	والے اور بھٹی والے لوہار کی ہے
وكير الحداد لا يعدمك	مشک بیچنے والے کے پاس سے
من صاحب المسك اما	تم محروم و معدوم نہیں رہو گے
تشتريه واما تجد ريحه	یا تو تم مشک خرید لو گے یا تمھیں
وكير الحداد يحرق بدنك	اس کی خوشبو ملے گی اور لوہار کی
او ثوبك او تجد منه ريحا	بھٹی تمہارا جسم یا کپڑا جلا دے گی
خبيثة[1]	یا تمھیں اس کی بدبو سونگھنے کو ملے گی۔

(حاشیہ ص ۴۲۰ پر)

آپؐ نے اچھے اور برے آدمیوں کی صحبت کے فوائد اور نقصانات مدلل طور پر اس تشبیہ کے ذریعہ بیان کر کے اسے بہت معنی خیز اور موثر بنا دیا ہے جس سے ان صحبتوں کی خوبی و خرابی مجسم ہو کر سامنے آگئی ہے۔

رسول اکرمؐ دنیا کو جو دعوت و پیغام دینے کے لیے تشریف لائے تھے، اس کے معاملے میں مختلف لوگوں کی روش مختلف تھی، کسی نے اسے قبول کیا اور آپؐ کی ہدایت پر عمل کر کے دونوں جہاں کی سعادت و کامرانی حاصل کی لیکن کچھ لوگوں نے اسے ٹھکرا کر ہلاکت و بربادی مول لی اور انکار و تکذیب کا رویہ اختیار کر کے ہر قسم کی ذلت و رسوائی سے دو چار ہوئے، اسی حقیقت کو آپؐ نے تشبیہ و تمثیل کے پیرایہ میں بیان کر کے ماننے اور نہ ماننے والوں کے انجام کی پوری تصویر کھینچ دی ہے، ملاحظہ ہو:

انما مثلی و مثل ما بعثنی اللہ
بہ کمثل رجل اتی قوما فقال
یا قوم انی رأیت الجیش
بعینی و انی انا النذیر العریان
فالنجاء النجاء فاطاعہ طائفۃ
من قومہ فادلجوا وانطلقوا
علی مہلہم فنجوا وکذبت

میری اور اس چیز کی جسے دے کر اللہ
نے مجھے بھیجا ہے مثال ایسے شخص
کی ہے جو کسی قوم کے پاس آکر یہ
کہے کہ اے میری قوم کے لوگو میں
نے اپنی آنکھوں سے (دشمنوں کی)
فوج دیکھی ہے اس لیے میں تمھیں
خبردار کرتا ہوں اس لیے تم اپنے

(حاشیہ ص ۴۱۹) [1] بخاری ج ۱ ص ۲۸۲ کتاب البیوع باب فی العطار و بیع المسک۔ یہ روایت امام صاحب نے ایک اور جگہ بھی نقل کی ہے گو اس کے الفاظ قدرے مختلف ہیں تاہم دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے (بخاری ج ۲ ص ۸۳۰ کتاب الذبائح باب المسک)

طائفۃ منہم فاصبحوا مکانہم
فصبحہم الجیش فاہلکہم
واجتاحہم فذلک مثل من
اطاعنی فاتبع ما جئت بہ
ومثل من عصانی وکذب
بما جئت بہ من الحق[1]

بچنے کا سامان کر لو اور بھاگ جاؤ،
چنانچہ ایک جماعت نے اس کی بات
مان لی اور مہلت کے اندر رات ہی
میں وہ چل پڑی اس طرح دشمنوں
کی زد سے محفوظ رہی لیکن دوسری
جماعت نے اسے جھٹلا دیا اور وہ
اپنی جگہ پڑی رہ گئی، چنانچہ
فوج نے اس پر صبح تڑکے حملہ کر کے
اس کا قلع قمع کر دیا، بعینہ یہ ان
لوگوں کی مثال ہے جنھوں نے میری
بات مان لی اور اس ہدایت کی
پیروی کی جو میں لے کر آیا ہوں اور
جنھوں نے میری بات نہیں مانی اور
میری ہدایت کی تکذیب کی۔

اسی طرح کی بات ایک دوسری حدیث میں قدرے مختلف انداز سے بیان کی گئی ہے لیکن وہاں بھی تشبیہ و تمثیل نے کلام میں جان ڈال دی ہے ارشاد ہے:

مثل ما بعثنی اللہ بہ من
الہدی والعلم کمثل الغیث

اس علم و ہدایت کی مثال جسے دیکر
اللہ نے مجھے مبعوث کیا ہے بارش

[1] بخاری ج ۲ ص ۱۰۸۰ کتاب الاعتصام باب الاقتداء بسنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

الکثیر اصاب ارضا فکان
فیھا نقیۃ قبلت الماء فانبتت
الکلاء والعشب الکثیر وکانت
منھا اجادب امسکت الماء
فنفع اللہ بھا الناس فشربوا
وسقوا وزرعوا واصاب
منھا طائفۃ اخری انما ھی
قیعان لا تمسک ماء ولا
تنبت کلاء فذلک مثل من
فقہ فی دین اللہ ونفعہ
بما بعثنی اللہ بہ فعلم وعلم و
مثل من لم یرفع بذلک
رأسا ولم یقبل ھدی اللہ
الذی ارسلت بہ[1]

جیسی ہے، جو صاف زمین پر ہوتی
ہے تو وہ پانی کو جذب کر لیتی ہے اور
گھاس و سبزہ اگاتی ہے اور جو زمین
سخت ہوتی ہے وہ پانی کو روک
لیتی ہے جس سے اللہ لوگوں کو نفع
پہنچاتا ہے یعنی وہ پانی خود پیتے ہیں
(مویشیوں کو) پلاتے ہیں اور کھیتی
کی سینچائی کرتے ہیں کچھ بارش سنگلاخ
زمین اور چٹیل میدان میں ہوتی ہے
یہ نہ پانی کو روکتی ہے اور نہ سبزہ
اگاتی ہے۔ پس یہی مثال ہے شخص کی
ہے جو اللہ کے دین میں فقہ و بصیرت
حاصل کرتا ہے اور اللہ اسے میری
دعوت سے نفع بخشتا ہے پس وہ
خود علم حاصل کرتا ہے اور دوسروں
کو بھی علم سکھاتا ہے اور یہی اس شخص کی
مثال بھی ہے جو نہ اس کی طرف مطلق
توجہ کرتا ہے اور نہ اللہ کی اس ہدایت

[1] بخاری ج ۱ ص ۱۸ کتاب العلم باب فضل من علم و علم۔

کو قبول کرتا ہے جسے دے کر میں
بھیجا گیا ہوں۔

گویا خدا کے دین اور نبیؐ کی تعلیم و ہدایت کا حال بارش جیسا ہے جو لوگوں کی ضرورت کے وقت ہوتی ہے اور مردہ زمینوں کو سیراب کر کے اسے گل و گلزار بنا دیتی ہے بعینہ یہی حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت لوگوں کا تھا آپؐ کی تشریف آوری سے لوگوں کو ہدایت ملی اور ان کی پژمردہ طبیعتیں شگفتہ ہو گئیں لیکن جس طرح بارش کے اثرات مختلف زمینوں پر مختلف قسم کے ہوتے ہیں اسی طرح خدا کی ہدایت کے اثرات بھی مختلف قلوب پر مختلف طرح کے ہوتے ہیں۔

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست　　در باغ لالہ روید و در شورہ بوم وخس

ایک جگہ قرآن مجید کے قاریوں کے فرق و تفاوت کا ذکر بھی اسی موثر و بلیغ پیرائے میں کیا گیا ہے ملاحظہ ہو:

مثل المومن الذی یقرأ
القرآن مثل الاترنجۃ ریحھا
طیب و طعمھا طیب ومثل
المومن الذی لا یقرأ القرآن
مثل التمرۃ لا ریح لھا و
طعمھا حلو ومثل المنافق
الذی لا یقرأ القرآن
کمثل الحنظلۃ لیس لھا ریح

جو مسلمان قرآن پڑھتا ہے اس کی
مثال اس پھل کی ہے جس کی بو
اور مزہ دونوں پاکیزہ ہوتے ہیں
اور جو مسلمان قرآن نہیں پڑھتا
وہ کھجور کے مانند ہے جس میں کوئی
خوشبو نہیں ہوتی مگر اس کا ذائقہ
میٹھا ہوتا ہے اور قرآن نہ پڑھنے
والے منافق کی مثال حنظل جیسی

وطعمها مر ومثل المنافق — ہے جس میں خوشبو نہیں ہوتی
الذی یقرأ القرآن مثل — اور جس کا مزہ کڑوا ہوتا ہے
الریحانة ریحها طیب و — اور قرآن پڑھنے والا منافق اس
طعمها مر[1] — خوشبودار پودے جیسا ہے جسکی
بو پاکیزہ مگر مزہ تلخ ہوتا ہے۔

غرض ان حدیثوں میں تمثیل وتشبیہ نے کلام کے لطف واثر میں غیر معمولی عظمت وشکوہ پیدا کر دی ہے اس طرح کی متعدد حدیثیں ہیں یہاں انہی مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

[1] بخاری ج ۲ ص ۸۱۶ کتاب الاطعمة باب ذکر الطعام۔

سلسلۂ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

دار المصنفین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ پر سات جلدوں میں سیرۃ النبیؐ کے نام سے جو عظیم الشان کتاب شایع کی ہے وہ الحمد للہ اپنی صحت واستناد کی بنا پر بہت مقبول ہوئی، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات وواقعات، غزوات، معجزات، منصب نبوت، عبادات واخلاق اور اسلامی نظام حکومت وغیرہ کے متعلق تفصیل سے بحث وگفتگو کی گئی ہے۔

یہ کتاب دراصل اسلامی انسائیکلو پیڈیا ہے جس میں اسلام کی تعلیمات وہدایات کا لب لباب پیش کیا گیا ہے، اسکی دوسری اور چوتھی جلد میں رسول اللہؐ کے حسن بیان کا بھی ذکر ہے اسکے مکمل سٹ کی قیمت ۵۸۵ روپے ہے۔

سلسلۂ سیرۃ النبیؐ کے علاوہ دار المصنفین نے اسی موضوع پر خطبات مدراس اور رحمت عالم بھی شایع کی ہیں، ان کو بھی بڑی مقبولیت نصیب ہوئی۔

خطبات مدراس قیمت ۲۵ روپے — رحمت عالم قیمت ۱۰ روپے۔

"مینجر"

امتیاز علی عرشی اور بعض علمی مباحث

از جناب عتیق جیلانی صاحب سالک

مولانا امتیاز علیخاں عرشی رامپوری (ولادت ۸ر دسمبر ۱۹۰۴ء وفات ۲۵ فروری ۱۹۸۱ء) علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں۔ عربی فارسی اور اردو کے وہ ممتاز عالم و محقق تھے، وہ ماہر غالبیات بھی تھے۔ رضا لائبریری کے ناظم کی حیثیت سے بھی انھوں نے ناقابل فراموش خدمات انجام دیں۔ مولانا کی ان گوناگوں خدمات کے باعث انہیں متعدد انعامات سے نوازا گیا۔ جس سے ان کی قدر بلند تھی تاہم ان کا جیسا اعتراف ہونا چاہیے تھا وہ ابھی تک نہیں ہوا۔

تدوین وتحقیق کو مغرب کا رہین منت خیال کیا جاتا ہے حالانکہ اس نے خود اسکے اصول وضوابط عربی سے مستعار لیے ہیں، مسلمانوں نے احادیث کی تدوین وتحقیق میں کاوش و دیدہ ریزی کی ہے، مغرب نے اسی کو مشعل راہ بناکر اسے اپنے سانچے میں ڈھال لیا ہے، اردو کے اکثر محققین نے ان اصولوں کو براہ راست مغرب سے اخذ کیا ہے مگر مولانا عرشی مرحوم نے براہ راست عربی ہی کے توسط سے یہ اصول اخذ کیے ہیں اور حسب ضرورت انگریزی سے بھی استفادہ کیا ہے اور وہ اردو میں متنی تنقید کے بڑے ماہر خیال کیے جاتے ہیں جس کا بہت بہتر نمونہ ان کی کتابیں "مکاتیب غالب" اور "دیوان غالب نسخہ عرشی" ہیں، اس مضمون میں غالبیات سے قطع نظر ان کی تحقیق

کے دوسرے نمونے زیر بحث آئیں گے۔

دستور الفصاحت علمی حلقوں میں انشاء اللہ خاں انشاء کی دریائے لطافت کو بڑی شہرت نصیب ہوئی۔ لیکن احمد علی یکتا کی دستور الفصاحت کا مخطوطہ پہلی مرتبہ مولانا عرشی نے دریافت کر کے کتب خانہ رامپور کے لیے حاصل کیا اور اس پر سیر حاصل دیباچہ اور حواشی بھی تحریر کیے اور ۱۹۴۳ء میں اس کا تنقیدی ایڈیشن شایع کیا۔ ڈاکٹر آمنہ خاتون نے جو اس وقت ایک نوآموز محققہ تھیں دیدہ ریزی سے اس پر ایک تنقیدی مضمون سپرد قلم کر کے عرشی صاحب کو بھیجا۔ یہ ایک مکتوب کی شکل میں تھا جسے نہایت فراخ دلی کے ساتھ مولانا نے 'برہان' دہلی فروری ۱۹۴۷ء میں شایع کرایا۔

ڈاکٹر آمنہ کی تنقید نفس مضمون سے زیادہ کتاب کی ماہیت و کتابت کے بارے میں ہے اور اسی سے انھوں نے نتائج برآمد کیے ہیں لیکن نفس مضمون اور نتائج کے بارے میں دونوں میں اختلاف نہیں ہے، ان کو مولانا کے واقعات کو ترتیب و تسلسل کے ساتھ بیان کرنے اور یکتا کے حالات زندگی کو دستیاب نہ کر سکنے کی شکایت ہے، حالانکہ موصوفہ کو بھی حالات نہیں مل سکے ہیں۔

ظہور الاسرار نامی اور مطہر کڑہ مثنوی نظامی گنجوی' مخزن الاسرار مطبوعہ نولکشور پریس کے شارح ظہور الحسن بٹھوری تھے۔ ان کا پورا نام کیا تھا، یہ بات بحث طلب ہے۔ مگر بقول مولانا عرشی "بدر الدین مطہر بن قوام بن رستم بن احمد بن محمود البلخی المعروف بکرئی اور بقول حافظ محمود شیرانی "محمد بن قوام بن رستم بن احمد بن محمود بدر خزانہ البلخی الکرئی تھا۔[1]

[1] معارف جولائی اگست ۱۹۴۱ء۔

پروفیسر نذیر احمد نے اپنے مضمون "ظہور الاسرار اور مطہر کڑہ۔ ایک گذارش" میں لکھا ہے کہ:

"شرح مخزن پر انھوں (محمود شیرانی) نے بحث کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ نولکشور پریس میں یہ شرح غلط نام سے شایع ہوئی۔ اس طرح عرشی صاحب اور شیرانی دونوں ایک ہی نتیجہ پر پہنچے۔ لیکن عرشی صاحب شیرانی کا حوالہ اس لیے نہ دے سکے کہ محمود شیرانی کا مقالہ ان کی نظر سے نہ گزر سکا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ شیرانی نے ظہور الحسن بٹھوری کی بحر الفضائل کا حوالہ دیا ہے اور عرشی صاحب کا مقالہ اس کے تذکرہ سے خالی ہے جس کی وجہ سے ان کے نزدیک شارح مخزن اسرار عہد فیروز شاہی کا مشہور کڑہ ہے۔ جب کہ بحر الفضائل میں شارح کا نام محمد بن رستم بن احمد بدر خزانہ بلخی کرئی رقم ہوا ہے۔

اس طرح دونوں مصنف الگ الگ ہیں۔ عہد فیروز شاہی کا مطہر کڑہ دوسرا شخص ہے۔ بقول شیرانی سال تصنیف کے درمیان ۴۲ سال کا فرق ہے"[1]

امام ابن حزم ظاہری۔ اور ان کی کتاب الانساب جمہرۃ النسب مولانا عرشی نے اس مقالہ[2] میں ابن حزم ظاہری کی حیات و خدمات سے نہ صرف واقف کرایا ہے بلکہ ان کی زندگی کے بعض ایسے گوشوں پر بھی روشنی ڈالی ہے جن سے عام طور پر لوگ ناواقف تھے۔ چنانچہ اس مقالے سے پہلی مرتبہ ان کی شاعرانہ حیثیت کا پتہ چلتا ہے۔ مولانا عرشی نے "قواعد کلیہ" کے زیر عنوان عربی اسماء الرجال کے

[1] نذیر احمد پروفیسر، مضمون ظہور الاسرار۔ بحوالہ غالب نامہ عرشی نمبر جنوری ۱۹۹۲ء و مقالات عرشی۔

[2] مقالہ مطبوعہ روئداد معارف اسلامیہ لاہور ۱۹۳۸ء بحوالہ مقالات عرشی مطبوعہ لاہور۔

صحیح تلفظ کے تعین کیلئے پیش کیے ہیں۔ ضرب الامثال میں تین عربی کہاوتوں کے متعلق "جمہرۃ" کی عبارتوں اور دوسرے عالموں کے خیالات پر بھی تجزیاتی بحث کی ہے۔

اس کے علاوہ مولانا نے شیعہ سنّی اختلافات کے بارے میں دلچسپ بحث کی ہے وہ لکھتے ہیں:

"آخر میں دل چاہتا ہے کہ آپ حضرات کی توجہ اسلام کے ان دو خاندانوں کے معاشرتی تعلقات کی طرف منعطف کردوں جن کے اختلافات پر آج تک اسلام کے دو سب سے بڑے فرقوں کے اختلاف کی بنیاد قائم ہے۔ ان سے میری مراد امیرالمومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور بنی امیہ ہیں۔ ہمارے علماء میں آج بھی یہ مسئلہ نظری ہے کہ شیعہ سنّی کے ازدواجی تعلقات مذہبی نقطہ نگاہ سے کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خالص مذہبی جماعت سنّی ہوں یا شیعہ اسے کم از کم بنظر استحسان نہیں دیکھتی لیکن "جمہرۃ النسب" کے ابواب اولاد ابی طالب اور اولاد امیہ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں ان خاندانوں کا اختلاف تمام تر سیاسی تھا۔ مذہبی اعتبار سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد رضی اللہ عنہم بنی امیہ کو بھی دائرہ اسلام سے باہر نہیں خیال کرتے تھے۔

و تا بہ نگیاں چہ رسد" چنانچہ ان دونوں خاندانوں کے ازدواج باہمی کی بیسیوں مثالیں ملتی ہیں۔ ان میں سے صرف ایک کا تذکرہ کافی ہوگا۔

ابن حزم یزید بن معاویہ کے پوتے عبداللہ بن خالد کے تذکرے میں جو کچھ لکھتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عباس علم دار کی پوتی اور حضرت سیدنا علی مرتضیٰ ابن ابی طالب کی پر پوتی حضرت نفیسہ بنت عبداللہ کی شادی معاویہ کے پوتے عبداللہ بن خالد سے ہوئی تھی۔ جن سے علی بن عبداللہ اور عباس بن عبداللہ پیدا ہوئے"[1]

مولانا عرشی نے بعض روایات و مسلمات کی اصلیت سے بھی واقف کرایا ہے ان میں سے چند کا تذکرہ بے محل نہ ہوگا۔

۱. عورت مرد کے حصص — بنی بکر بن وائل کے ماتحت عامر بن جشم بن کعب کا ذکر کیا ہے جو ذوالمجاسد کہلاتا تھا۔ اور لکھا ہے کہ "یہ پہلا شخص ہے جس نے مرد کے دو حصے اور عورت کا ایک حصہ مقرر کیا۔ (ورق ۴۲ ب)

ابن درید کتاب الاشتقاق (ص ۲۰۶) میں اس اولیہ کو چھوڑ گیا لیکن سیوطی نے کتاب الوسائل (۲۶) میں تذکرہ کیا ہے۔

۲. کعبہ کی طرف منہ کرنے والے — البراء بن معرور الخزرجی کے متعلق لکھا ہے کہ یہ لیلۃ العقبہ کی بیعت کرنے والوں میں سے تھے اور پہلے شخص ہیں جن کا منہ دفن کے وقت کعبے کی طرف کیا گیا۔ (ورق ۱۰۸ الف)

ابن درید نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے ایک تہائی مال کی وصیت کی تھی اور یہی پہلے مسلمان ہیں جنھوں نے سب سے پہلے کعبے کی طرف نماز میں منھ پھیرا اور کعبے کی طرف منھ کر کے دفن کیے گئے۔

عسکری نے بیان کیا ہے کہ یہ پہلے مسلم ہیں جنھوں نے کعبے کی طرف رخ کیا۔ بعد ازاں بحکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے لگے۔ لیکن انتقال سے پہلے لوگوں سے کہہ کر کعبے کی طرف منھ پھیر لیا نیز سب سے پہلے

[1] بحوالہ مقالات عرشی ص ۲۲۰۔

انہیں نے لیلۃ العقبہ میں بیعت کے لیے رسول اللہ صلعم کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

۳۔ واضع النحو جمہرہ کے حوالہ سے ابوالاسود ظالم بن عمرو الدؤلی کے متعلق مولانا عرشی نے لکھا ہے کہ "تابعی، بصری، اول من وضع فی النحو (ورق ۵۸) عسکری، صاحب اغانی، القالی ابن عساکر اور ابو طاہر صاحب اخبار النحویین نے بھی یہی رائے ظاہر کی ہے۔ لیکن ابو القاسم الزجاجی اور صاحب اغانی نے دوسری روایات کے مطابق امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو واضع نحو قرار دیا ہے۔ السیرافی نے طبقات النحاۃ میں ابن عاصم کو اور ابن لہیعہ نے عبدالرحمٰن بن ہرمز کو یہ شرف عطا کیا ہے۔ لیکن اکثر تذکرہ نگاروں نے ابن حزم کے قول کو اختیار کیا ہے[1]

۴۔ قاتل عثمان غنی ذوالنورینؓ مولانا عرشی نے "جمہرہ" کے حوالے سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کا بھی تذکرہ کیا ہے اور "عمرو بن الحمق" کا ذکر بنی سعد بن کعب کے سلسلہ میں درج ہے :

"یہ صحابی تھے۔ یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر چڑھائی کرنے والوں میں تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرفدار تھے"[2]

---

[1] محمود الجنیدی جمعہ اور احمد محمد الامام نے اپنی تصنیف "المنہل العذب" میں حضرت علیؓ اور ابوالاسود دؤلی کے واضع نحو ہونے کا خیال ظاہر کیا ہے۔ [3] لیکن اس کے متعلق دوسری روایتیں بھی ہیں۔

[2] (الف) امام طبری نے مالک ابن حارث معروف بہ اشتر نخعی کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا اصل قاتل بتایا ہے یہ اپنے ایک ذاتی مفاد کی وجہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہ سے قریب بھی تھے۔ انھوں نے ان کے ہاتھ پر سب سے پہلے بیعت کی۔ اس لیے

(بقیہ حاشیہ ص ۴۳۱ پر)

آگے تحریر فرماتے ہیں کہ :

" حضرت معاویہؓ کے زمانے میں انہیں قتل کر دیا گیا۔ خدا کی ان پر رحمت ہو۔ ان کا سر کسی مسلمان کا پہلا سر تھا جو ایک شہر سے دوسرے شہر کو لے جایا گیا۔"

عسکری نے اس واقعہ کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ " پہلا سر جو ایک شہر سے دوسرے شہر کو بھیجا گیا" محمد بن ابی بکر کا تھا۔ ابن درید کی رائے میں عمرو بن الحمق کا سر پہلا ہے جو لٹکایا گیا۔ (ص ۲۱۹)

مولانا فضل حق خیرآبادی مولانا عرشی کا مقالہ "کیا مولانا فضل حق خیرآبادی کا ۱۸۵۷ء کے فتوائے جہاد سے تعلق تھا" اس عام رائے کے بر خلاف ہے کہ مولانا فضل حق خیرآبادی ۱۸۵۷ء کے جہاد اور اس سے متعلقہ فتوے میں پیش پیش تھے انھوں نے عبدالشاہد خاں شیروانی کی تردید کرتے ہوئے خود ان کی تحریر ہی سے ثبوت فراہم کیے ہیں اور بتایا ہے کہ یہ مقدمہ دراصل مولانا سید فضل حق رام پوری ثم شاہجہاں پوری سے متعلق تھا۔ مگر کسی غلط فہمی کی بنیاد پر مولانا فضل حق خیرآبادی

(حاشیہ ص ۴۳۰) یہ کہنا کہ عمرو بن حمق حضرت عثمان غنیؓ کے اصل قاتل ہیں اور وہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں تاریخ کی روشنی میں شاید صحیح نہ ہو۔

(ب) قاتلین عثمان غنیؓ میں کنانہ ابن بشیر تھے۔ جو سب سے پہلے حملہ آور ہوئے (ابن اثیر)

(ج) سب سے پہلے غافقی ابن حرب حملہ آور ہوئے (ابن کثیر) البتہ ابن حمق نے آخر میں حملہ کرکے حضرت عثمان غنیؓ کا کام تمام کیا (بحوالہ۔ محمد سید الوکیل، ڈاکٹر۔ جولۃ تاریخیۃ فی عصر الخلفاء الراشدین مطبوعہ جدہ مطبع دار المجتمع ۱۹۸۶ء)

سے منسوب ہوگیا۔ خاں صاحب نے مولوی ذکاءاللہ دہلوی کی "تاریخ عروج سلطنت مغلیہ جلد ۵" کا حوالہ دیا ہے مگر اس میں ۳۳ ۱ اصحاب کے فتاوی کا تذکرہ ہے جس میں زیادہ تر جعلی ثابت ہوئے۔ لیکن ان میں بھی مولانا فضل حق خیرآبادی کا نام شامل نہیں ہے۔ اس کے علاوہ مولانا اس واقعہ کے بیس روز بعد دہلی تشریف لائے تھے۔ اس وقت تک فتویٰ شایع ہوچکا تھا۔ علاوہ ازیں وہ نواب رامپور یوسف علی خاں کو ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

" واضح شد کہ فدوی را بعلت نوکری خان بہادر خاں و نظامت پیلی بھیت وچکلہ داری محمدی و افسری، باغی ماخوذ کردہ اند، حال آنکہ فدوی ازیں ہر سہ امر محض بری است و خشا مواخذہ آنست کہ شخصے بر فضل حق نام از سادات شاہجہانپور کہ قبل ازیں سرکار بدقرار بندگان عالی ملازم ماندہ الخ[1]

اس موقف کی تائید و تردید میں متعدد مضامین لکھے گئے۔ جن میں مالک رام[2] کا نام بھی آتا ہے۔ عبدالشاہد خاں شیروانی نے "باغی ہندستان" کی دوسری اشاعت میں جواباً تحریر کیا:

" اس دور کے تاریخی روزنامچوں سے ۱۶ اگست ۱۸۵۷ء کو علامہ کی بہادر شاہ ظفر کے دربار میں موجودگی کا ثبوت ملتا ہے۔ اس سے یہ یقین کیسے پیدا ہوگیا کہ علامہ اس سے پہلے دہلی میں نہیں تھے۔ پھر اپنے دعوے کو ثابت کرنے کے لیے مخالفین کو

---

[1] بحوالہ مولانا عرشی مضمون۔ کیا مولانا فضل حق خیرآبادی کا ۱۸۵۷ء کے فتوائے جہاد سے تعلق تھا؟ مشمولہ نیا دور لکھنؤ۔ جنوری فروری ۱۹۸۰ء ص ۸ [2] مالک رام کا مضمون تحریک دہلی۔ جون ۱۹۷۰ء میں شایع ہوا۔

یہ بھی ثابت کرنا پڑے گا کہ دہلی سے صرف ایک ہی فتویٰ جاری ہوا تھا جس کی نقل صادق الاخبار میں چھپی تھی۔[1]

خود مولانا خیرآبادی نے اپنی قید و بند کی دو وجہیں بیان کی ہیں۔

۱۔ انگریزوں کو اس بات کا علم تھا کہ میں ایمان و اسلام میں راسخ العقیدہ ہوں اور علامہ وقت ہونے کی حیثیت سے شہرت رکھتا ہوں۔ مجھے سزا دینے کا مقصد یہ تھا کہ علم دین کے آثار کو صفحات کتب سے بھی مٹا دیا جائے۔

۲۔ حاکم نصرانی کے سامنے دو مرتد، سخت دل دشمنوں (عبدالحکیم اور مرتضیٰ حسین) نے چغلی کھائی۔ وہ دونوں میرے ساتھ قرآن پاک کی اس آیت مبارکہ کے بارے میں جھگڑا کرتے تھے۔ جس کا حکم یہ ہے کہ نصاریٰ کا دوست بھی نصرانی ہے اور ان دونوں کو نصاریٰ کی دوستی پر اصرار تھا۔ چنانچہ انھوں نے ایمان کے بدلے کفر کو اپنا لیا۔[2]

اسی طرح پاکستان کے ڈاکٹر محمد ریاض اس بحث میں حصہ لیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

" مولوی فضل حق اتنا مسکین آدمی نہیں تھا کہ اسے کسی دوسرے شخص کے بدلے میں عمر قید کی سزا دی جاتی اور اس کا کوئی پرسان حال نہ ہوتا۔ شاید انہیں (مالک رام وغیرہ کو) یہ معلوم نہیں کہ اس کا چھوٹا بھائی سردار

---

[1] عبدالشاہد شیروانی۔ باغی ہندستان طبع دوم۔ اردو ڈائجسٹ پریس لاہور، ۱۹۷۴ء ص ۲۳۳ [2] عبدالشاہد شیروانی "مولانا" باغی ہندوستان اردو ڈائجسٹ پرنٹرز لاہور، ۱۹۷۴ء ص ۲۷۔

"خصائص الائمہ" میں شریف رضی نے اسے اپنی تصنیف قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ مولانا عرشی نے "حقائق التنزیل" اور "مجازات الآثار النبویۃ" نیز تفسیر کی بعض شرحوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ ان کتابوں میں نہج البلاغہ کا تذکرہ اپنی تصنیف کے طور پر کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر صابر سنبھلی نے مولوی سید علی نقی النقوی کی مرتبہ "استناد نہج البلاغہ" کا ذکر اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے میں اس طرح کیا ہے کہ مولانا علی نقی اور مولانا عرشی کے اکثر مندرجات و نتائج یکساں ہیں۔ مگر عرشی صاحب نے اس کتاب کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔ دراصل انکے اور سید علی نقی صاحب کے نتائج میں یکسانیت نہیں۔ اس لیے حوالہ دینے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس کے مناظرانہ رنگ اور کمزور دلیلوں کی وجہ سے اسے قابل التفات نہیں سمجھا گیا۔ مولانا علی نقی نے اپنے مسلک کی مکمل ترجمانی کی ہے۔ اور صرف عقائد کی بنیاد پر نظریاتی حصار قایم کیا ہے۔ بعد میں صحیح ثابت کرنے کے لیے دلیلیں دیتے چلے گئے ہیں۔ جب کہ مولانا عرشی کسی طے شدہ نظریہ کے اثبات کے لیے نہیں، تحقیقی بنیادوں پر نقد و نظر سے کام لیتے ہیں۔

خود راقم الحروف نے دونوں کتابوں کا موازنہ کیا اور سوائے اعتراف والے حصے کے جو دونوں عالموں نے دوسری جگہ سے نقل کیے ہیں، مندرجات دلائل اور نتائج کسی میں بھی یکسانیت نہیں پائی جاتی، ظاہر ہے کہ دونوں کتابوں کا موضوع ایک ہی ہے، اس لیے عنوان بھی ملتا جلتا ہے۔ ایک کا عنوان استناد نہج البلاغہ اور دوسرے کا "نہج البلاغہ کا استناد" یہ بالکل ویسی ہی صورت ہے جیسے نقد غالب نام کی دو کتابیں ہیں، دونوں کتابوں کا موضوع ایک ہے۔

فضل الرحمن ریاست پٹیالہ کا وزیر تھا اور نواب والا جاہ بہادر آف کرناٹک اس کا عزیز قریب تھا اور نواب سید برکت علی خاں بہادر جو انگریز سرکار میں بڑا مقتدر تھا۔ اس کا بھانجہ تھا۔ کیا یہ سب حضرات اتنے سنگدل ہوگئے تھے کہ اپنے خاص اثرات خاندان کے ایک بزرگ کو بے گناہ ثابت کرنے کے لیے استعمال نہیں کر سکتے تھے؟[1]

مذکورہ استدلال کم زور معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ انگریزوں نے معمولی شکوک کی بنیادوں پر بھی پھانسی اور کالے پانی کی سزائیں دی ہیں۔ نیز ریاست رامپور نے اس وقت کے اکثر مورد عتاب افراد کو بچانے کی کوششیں کی تھیں۔ ممکن ہے مولانا فضل حق خیرآبادی کے بارے میں کامیابی نہ مل سکی ہو۔ بہر حال یہ بحث طلب موضوع مزید تحقیق چاہتا ہے۔

استناد نہج البلاغہ اثنا عشریہ کا عقیدہ یہ ہے کہ نہج البلاغہ میں شامل تمام تحریریں حضرت علیؓ کی تصنیف ہیں۔ لیکن محققین نے بعض شواہد کی روشنی میں ایک شیعی عالم سید شریف رضی یا ان کے بھائی سید شریف مرتضیٰ کو ان کا مولف قرار دیا ہے۔[2]

عرشی صاحب کی پہلی دلیل علامہ نجاشی کی کتاب الرجال کے حوالے سے ہے۔ داخلی ثبوت میں محی الدین عبدالحمید کے نسخہ نہج البلاغہ مطبوعہ قاہرہ کا ذکر ہے جس میں "قال الرضی" یا "قال الرضی ابوالحسن" سے نتائج اخذ کیے گئے ہیں۔ خارجی شواہد میں

۱۔ محمد ریاض، ڈاکٹر، جنگ آزادی، ۱۸۵۷ء مشمولہ ماہ نو کراچی ۱۹۶۹ء ص ۷۰ ۲۔ صابر سنبھلی ڈاکٹر، مقالہ "مقالات عرشی۔ ایک جائزہ" مشمولہ غالب نامہ جنوری ۱۹۹۲ء

لیکن مندرجات الگ الگ ہیں۔

مولانا عرشی نے نہج البلاغہ کو حضرت علیؓ کا کلام ماننے کے بجائے کتاب کے دوسرے حصے میں اس کو جانچنے کا اعلان کیا ہے۔ البتہ وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ نہج البلاغہ کے جو مضامین مرتب کے زمانے سے پہلے کی کتابوں میں ملتے ہیں وہ اس کی جعل سازی نہیں بلکہ صرف مرتبہ مضامین ہیں۔ لیکن یہ بات پھر بھی رہ جاتی ہے کہ جہاں سے مرتب نے نقل کیے اس میں تو جعل سازی ہو سکتی ہے ان تمام دلائل کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ مولانا عرشی اور مولانا علی نقی دونوں کے مباحث اور نتائج ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور ان کے مقاصد بھی الگ الگ ہیں۔

مولانا عبدالسلام خاں کا مسلکی اختلاف

مولانا عبدالسلام خاں، سابق پرنسپل مدرسۃ العالیہ رام پور، ایک جید عالم ہیں اور خصوصاً فن منطق میں عالمگیر شہرت کے مالک ہیں۔ انھوں نے "مولانا عرشی کو جیسا پایا اور جانا" اسے اپنے ایک مضمون میں قلم بند کر دیا ہے۔ یہاں اس کا وہ حصہ پیش کیا جا رہا ہے، جس سے مولانا عرشی کے معتقدات اور مسلک کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"مولانا عرشی کے نزدیک قرآن مجید کی آیتوں، جملوں، فقروں اور لفظوں کا وہی مفہوم ہے، جو صحابہ یا تابعین نے سمجھا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ قرآن مجید میں ضمنی طور پر طبیعیاتی، ارضیاتی، فلکیاتی اور جغرافیائی بیانات اور قصص و واقعات کو کسی اور طرح سمجھنا جس سے جدید سائنسی و اثری معلومات سے تصادم نہ پیدا ہو۔ اس کی کچھ تاویل نہیں۔ اس کا مقصد نزول لوگوں کو ہدایت ہے۔

اس عہد کے عربوں کا فہم ان عربوں کے مقبولات و مسلمات سے مقصد نزول پورا ہو جاتا ہے۔ ان واقعات کی صداقت قرآن مجید کے اصل موضوع یعنی ہدایت سے خارج ہے اور باوجود لغت و قواعد اور محاورۂ عرب کے ساتھ دینے کے ان کی ایسی تاویل جو عصری معلومات سے متصادم نہ ہو، قابل قبول نہیں"۔

مولانا عبدالسلام خاں فرماتے ہیں کہ "اس کے برعکس میں قرآن مجید میں ایسے لوچ کا قائل تھا کہ اس کی بنا پر ہر عہد کے معلومات سے قرآنی بیانات کی مطابقت قائم رہے، کیونکہ "لا تنقضی عجائبہ" کے تحت جس طرح اس کے بیانات کی تکذیب اس عہد کے عرب نہیں کر سکے۔ اسی طرح یونانی طبیعات و الٰہیات کی تکذیب آج کے علماء نہیں کر سکے۔

مولانا عرشی کے فقہی مسلک کے بارے میں مولانا عبدالسلام خاں لکھتے ہیں:

"عرشی صاحب بغیر تحزب اور تعصب کے حنفی مسلک کے پیرو اور امام ابوحنیفہؒ کے تفقہ اور ان کی معرفت حدیث کے قائل تھے۔ ایک مرتبہ ایک اہل حدیث عالم سے بحث کے دوران عرشی صاحب نے پوچھا کہ آپ کے نزدیک امام ابوحنیفہؒ کے استخراج کیے ہوئے مسائل تخمیناً کتنے فی صدی احادیث صحیحہ کے خلاف ہیں۔ انھوں نے غالباً پچیس تیس فی صدی کے قریب بتائے۔ عرشی صاحب نے کہا کہ ذرا سوچیے تو وہ کتنا بڑا آدمی ہوگا جو نبی نہ ہونے کے باوجود ایک نبی کے ملہمات سے تقریباً پچھتر فی صد مسائل میں مطابقت رکھتا ہے"۔

لیکن مولانا عرشی اندھی تقلید کے حامی نہ تھے۔ وہ صدقات نفرا ہیں صدقات کے عام ہونے کی بنا پر نافلہ صدقات کے کھانے کو ناجائز جانتے تھے۔ جب کہ مولانا

عبدالسلام خاں کے نزدیک صدقات کا وہ حصہ جو اغنیا کو کھلایا جائے صدقہ سے خارج ہوکر دعوت و ہدیہ ہو جاتا ہے

ایک مرتبہ مولانا عبدالسلام خاں نے کہا کہ جن اصحاب نے پنج وقتہ حضور صلعم کی امامت میں نماز پڑھی ان کی نماز کی جزئیات میں اختلاف کی توجیہ ہو سکتی ہے کہ قرن اول میں نماز کے غیر اہم فروع میں جزوی اختلاف قابلِ لحاظ نہ تھے اور کوئی لازمی طریقہ نہ تھا۔ کوئی سینہ پر ہاتھ باندھتا، کوئی ناف پر یا اس کے نیچے۔ چنانچہ یہ اختلاف فقہا کے طبعی میلان سے تعلق رکھتا ہے اور سب ہی طریقے مسنون ہیں۔ عرشی صاحب نے اس توجیہ کو پسند کیا۔

علم حدیث ہندوستان میں کب پہونچا؟ ڈاکٹر نذیر احمد نے مولانا عرشی کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

"۱۹۲۹ء میں علامہ سید سلیمان ندوی نے مولانا حبیب الرحمٰن شروانی کے ایک مقالہ پر ایک یادداشت درج کی تھی، جس کا ماحصل یہ تھا کہ ہندوستان میں علم حدیث کا چرچا بہت پرانا نہیں اور احادیث کے مہتم بالشان مجموعے ہندوستان میں عام طور پر روشناس نہ تھے۔ نویں صدی ہجری میں رضی الدین صغانی کی "مشارق الانوار" کا زیادہ رواج ملتا ہے۔ دسویں صدی ہجری میں کتب حدیث میں "شمایل" کا نسخہ پہنچ چکا تھا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی بدولت مشکوٰۃ، موطا امام مالک، صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے نسخے ہندوستان پہنچے۔[1]

عرشی صاحب نے بہ تحقیق ثابت کیا ہے کہ ہندوستان میں ارباب حدیث کی آمد تبع تابعین کے دور ہی سے شروع ہوگئی تھی۔ چنانچہ حسن بصری کے دو شاگردوں

[1] (حاشیہ ص ۴۳۹ پر ملاحظہ ہو)

کے نام تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔ یہ دونوں بزرگ ہندوستان آئے تھے۔ ان میں سے ایک صاحب کا نام ابو موسیٰ اسرائیل بن موسیٰ البصری اور دوسرے بزرگ کا نام ابو حفص ربیع بن صبیح البصری تھا۔ ان حضرات کی برکت سے علم الحدیث کا رواج ہندوستان میں بڑھا۔ چنانچہ چوتھی یا پانچویں صدی ہجری کے کئی سندی محدثین کے نام ہمیں ملتے ہیں۔ ان میں متعدد حضرات کا تعلق دابیل سے تھا اور وہ اسی نسبت سے مذکور ہیں۔ عرشی صاحب نے قدیم عہد کے آٹھ محدثین کے نام درج کیے ہیں۔ چھٹی صدی کے ۱۳، ساتویں کے ۵، آٹھویں کے ۱۰، نویں کے ۸، دسویں صدی میں یہ تعداد ۵۶ ہو جاتی ہے۔"

[1] نذیر احمد ڈاکٹر (روئداد مولانا امتیاز علی عرشی سیمینار۔ مشمولہ غالب نما جنوری ۱۹۹۲ء

مولانا اسمٰعیل میرٹھی اور انکی فارسی اردو مثنویات کا تقابلی جائزہ

از ڈاکٹر شمیم اختر صاحبہ

پیدائش اور خاندان | مولانا اسمٰعیل میرٹھی کی ولادت میرٹھ میں ۱۸۴۴ء میں ہوئی وہ نجیب الطرفین تھے۔ والد کی طرف سے آٹھویں پشت میں مولانا قاضی حمید الدین خجندی الصدیقیؒ سے ان کا سلسلۂ نسب ملتا ہے اور والدہ کی جانب سے حضرت مخدوم شیخ فرید الدین اصفہانی چشتیؒ تک پہنچتا ہے۔ ان کے خاندان میں جہاں اصحابِ ورع و تقویٰ پیدا ہوئے وہاں صاحبانِ سیف و قلم بھی گزرے ہیں۔ مولانا کے والد بزرگوار سلیم الطبع حلیم، بردبار، علم دوست اور صاحب ذوق شخص تھے۔ مولانا ان کی سب سے چھوٹی اولاد تھے۔ اس لیے وہ شفقت پدری کے خاص طور سے مورد بنے۔

تعلیم | والد نے اپنے لائق و فائق پسر کی تعلیم و تربیت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ مولانا میں ذہانت اور قوت حافظہ خداداد تھا۔ ان کا یہ وصف صغر سنی سے ہی نمایاں تھا۔ چنانچہ پانچ ماہ کے قلیل عرصہ میں کلام پاک ناظرہ ختم کر لیا۔[1] اسکے بعد باقاعدہ طور پر ان کی تعلیمی زندگی کا آغاز ہوا۔

انیسویں صدی کا زمانہ ہندوستان میں سیاسی بحران کا تھا۔ اس وقت

[1] حیات و کلیات اسمٰعیل صہ ۵ مصنفہ و مرتبہ محمد اسلم سیفی۔

گو ہندوستان میں فارسی زبان و ادب پر زوال کے بادل چھا چکے تھے۔ تاہم فارسی کا رواج باقی تھا اور تحصیل کمال کے لیے اس کی تعلیم اب بھی ضروری سمجھی جاتی تھی۔ اس لیے مولانا نے بھی ابتدا ہی میں اس کی تحصیل شروع کی ان کے والد نے ان کو مرزا رحیم بیگ کی شاگردی میں دے دیا۔ جنھیں فارسی زبان و ادب سے خاص ربط تھا۔[1] اس عرصہ میں مولانا کو لغات کے مطالعہ کا بہترین موقع فراہم ہوا اور مشق تحریر بھی۔ مولانا نے مرزا رحیم بیگ کی خدمت میں رہکر جلد ہی فارسی زبان و ادب کی اچھی استعداد پیدا کر لی۔ گلستان و بوستان سعدی اور شاہنامہ فردوسی کے علاوہ دوسری کتب فارسی کا مطالعہ بھی کیا اور اساتذہ کے کلام کو بغور پڑھا۔ اس ابتدائی تعلیم کے بعد مولانا کا داخلہ نارمل اسکول میں ہوا جہاں پہ علم ہندسہ، علم ہیئت، فزیکل سائنس اور ریاضی وغیرہ مختلف علوم کی تعلیم حاصل کی۔ اسکے ساتھ ہی فارسی ادب کا مطالعہ بھی جاری رہا۔ نارمل اسکول میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد مولانا نے رڑکی کالج میں داخلہ لیا۔

تدریس اور فارسی زبان کی خدمت | رڑکی سے واپس آنے کے بعد وہ نارمل اسکول میں مدرس ہو گئے اور فارسی ادب کی خدمت انجام دینے میں مصروف ہو گئے۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ فارسی زبان و ادب کی نمایاں خدمت انجام دینے کے باوجود بھی مولانا کی فارسی دانی کی طرف اہل علم حضرات کی توجہ نہیں ہو سکی۔

فارسی سے شغف | گو اردو ادب میں بچوں کے شاعر کی حیثیت سے ان کو زیادہ شہرت نصیب ہوئی تاہم فارسی ادب اور شاعری سے بھی ان کی دلچسپی اور لگاؤ کم نہیں تھا۔

[1] حیات و کلیات اسمٰعیل۔ اسلم سیفی صہ ۲۰۔

جس کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے ہوگا۔

"میرٹھ میں منشی نجم الدین صاحب کے دولت کدہ پر اہل کمال کا اجتماع ہوا کرتا تھا ایک دن کسی صاحب نے فرمائش کی کہ حاضرین میں سے ہر شخص اپنی پسند کا بہترین شعر سنائے۔ مگر یہ اتفاق تھا کہ جب مولانا کی باری آئی تو چمنستان اردو ادب کے خوشنوا بلبل کو اردو کا ایک شعر بھی یاد نہ رہا اور بالآخر حاضرین محفل سے اجازت لیکر انھوں نے فارسی کا حسب ذیل شعر سنایا:-

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد   کسے را با کسے کارے نباشد[1]

مولانا کا اردو کلام بھی فارسی کے اثر سے خالی نہیں ہوتا تھا۔ ۱۸۷۶ء میں انھوں نے مثنوی "نکر حکیم" لکھ کر سرسید احمد خاں کی خدمت میں بغرض ریویو پیش کی تو انھوں نے فرمایا اس میں فارسی ترکیبوں کی بھرمار ہے[2]

مولانا نے فارسی زبان کے فروغ میں بھی حصہ لیا اور کئی درسی کتابیں اس زبان میں لکھیں اور ان کی طباعت و اشاعت کے مصارف بھی برداشت کیے[3]۔ فارسی ریڈروں کا یہ سلسلہ انگریزی اسکولوں کے لیے ترتیب دیا گیا تھا۔ مولانا چونکہ قادر الکلام شاعر تھے اس لیے ان ریڈروں میں انھوں نے منثور کی طرح اپنا منظوم کلام بھی شامل کیا۔

مولانا کی نثری تصانیف کی تعداد کم نہیں ہے، مگر وہ طبع نہیں ہو سکیں دراصل فارسی نثر نگاری میں بھی انھیں مہارت تامہ حاصل تھی۔ بعض جگہ تو ان کی تحریر پر گلستان سعدی کی کسی عبارت کا دھوکہ ہوتا ہے۔ ان کی زبان میں جو سلاست

---

[1] حیات و کلیات اسمٰعیل؛ اسلم سیفی ص ۳۲ [2] ایضاً ص ۵۹ [3] ایضاً ص ۴۱۔

روانی اور اثر ہے وہ کسی اہل زبان سے کم نہیں اس لیے انہیں "سعدی ہند" کا لقب دینا بیجا نہیں ہے۔ یہاں بطور نمونہ چند سطور پیش کی جاتی ہیں:-

فارسی	اردو
آوردہ اند کہ عبدالقادر جیلانی در	حضرت عبدالقادر جیلانی کے بارے
عنفوان شباب جہت تحصیل علوم	میں بیان کیا جاتا ہے کہ ایام شباب
عزیمت بغداد کرد۔ مادر مہربان	میں تحصیل علم کے مقصد سے بغداد
چہل دینار زاد سفر بداد و عہد	تشریف لے جا رہے تھے۔ مادر مہربان
گرفت کہ جز سخن راست بر زبان	نے زاد سفر کے لیے چالیس دینار
نیارد و با چشم پر آب وداع فرمود	دیے اور یہ قول لیا کہ ہمیشہ سچ بولیں گے
چون از منزل ہمدان گذشتند	یہ کہہ کر پرنم آنکھوں سے وداع کیا
رہزنان کاروان را از دندو دست	مگر جس قافلہ میں وہ شامل تھے اس
بغارت کشادند۔۔۔۔ امیر دزدان	پر ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا اور قتل
را باستماع این سخن حال متغیر شد۔	و غارتگری شروع کر دی۔۔۔۔
گفت ای جوان تو کہ ہنگام مخافت	ڈاکوؤں کے سردار کو سخت حیرت
عہد مادر را نقص نہ کنی ما چرا بدون	ہوئی اور اس نے کہا کہ اس قدر
آفت پیمان خداوندی را بشکنم۔۔۔	خوفناک حالات میں بھی تم نے
چون تیغ راستی توانی لشکری کشتن	ماں کے دیے گئے قول کو نہیں توڑا
ولیکن تیغ فولادی نہ ہر جای بکار آید	اور ہم بنا کسی آفت و پریشانی کے
	خدا کے عہد کو توڑ دیتے ہیں، اگر
	تیرے پاس سچائی کی تیغ ہے تو تو

اس سے لشکر کا بھی مقابلہ کر سکتا ہے
کیونکہ تیغ فولادی ہر جگہ کام نہیں آتی۔[1]

. . . .

مولانا کے غیر مطبوعہ ذخیرہ میں ایک مسودہ "قندِ پارسی" کے نام سے بھی دستیاب ہوا ہے جو غالباً ہائی اسکول کے نصاب کے لیے لکھا گیا تھا مگر زیورِ طبع سے آراستہ نہ ہو سکا۔ مولانا اساتذہ کے کلام کا مطالعہ نہایت ذوق و شوق سے کرتے تھے اور اس سے محظوظ ہوتے تھے انکا یہ ذوق تادمِ حیات باقی رہا۔ انتقال سے چند ماہ قبل بعض اصحاب علم و فن جن میں مولانا ابوالحسن جوہر اور میر ابوالعلا لکھنوی بھی شامل تھے اور جن کی فارسی دانی بھی مسلم ہے ان کی مزاج پرسی کے لیے حاضر ہوئے درمیان گفتگو حضرت امیر خسرو کے کلام پر بحث شروع ہوئی اور دیگر اساتذہ کا بھی ذکر ہوا مولانا نے خسروؒ کے علاوہ دیگر اساتذہ کے اشعار حسب موقع اس روانی کے ساتھ سنائے کہ لوگ حیرت زدہ رہ گئے۔

امیر خسروؒ سے دلچسپی مولانا صاحب طریقت شخص تھے۔ اس لیے بھی انہیں حضرت امیر خسروؒ کے کلام سے دلچسپی رہی ہوگی چنانچہ شمس العلما نواب عماد الملک مولوی سید حسن بلگرامی کی خواہش پر جب حضرت امیر خسروؒ کے کلام کی تصحیح اور اس پر تبصرہ کے لیے کسی موزوں شخص کی تلاش ہوئی تو قرعۂ فال مولانا ہی کے نام نکلا۔

مولانا نے اپنی عمر کے دو سال کا قیمتی وقت اس خدمت میں نہایت انہماک سے گذارا اور کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا مولانا کی یہ خدمت فارسی ادب میں بڑی اہمیت کی

---

[1] حیات و کلیات اسمٰعیل میرٹھی۔ اسلم سیفی ص۶۹۔

حامل ہے چونکہ مولانا نے یہ خدمت بر بنائے خلوص انجام دی تھی لہٰذا انھوں نے خود کہا :-

ساختہ ام ہرزہ براہِ دراز | بہ اتمہ حکم نہ از روی آز

اب اصل موضوع یعنی مولانا کی مثنویات اردو فارسی کا مختصر جائزہ لیا جاتا ہے۔

فارسی شاعری کا مذاق مولانا کی اردو شاعری سے تو اہل ادب اچھی طرح سے واقف ہیں مگر یہ کم لوگوں کو معلوم ہے کہ انھوں نے فارسی میں بھی تقریباً تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے، لیکن قصائد، مقطعات، غزلیات اور رباعیوں کے مقابلہ میں انکے کلیات میں مثنویات کی تعداد نسبتاً زیادہ ہے۔

مولانا اپنے گرد و پیش کے حالات کا مشاہدہ بنظر غائر کرتے تھے اور ان سے پیدا شدہ تاثرات کو الفاظ کا جامہ عطا کرتے تھے۔ مولانا کا دور قدما یا متوسطین کا دور نہ تھا بلکہ ان کا تعلق ایسے دور سے تھا جس میں جدت اور حقیقت پسندی کو ترجیح دی جاتی تھی۔ انھوں نے فارسی شاعری کی عام روش یعنی داستان گل و بلبل یا زلف و کاکل بتاں سے ہٹ کر اشعار کہے جو وقت کی ضرورت تھی۔ وہ عام لوگوں کی زندگی کے نشیب و فراز اور ان کو درپیش مسائل کا ذکر کرکے وہ انکا حل پیش کرتے تھے۔ اخلاقی قدروں کی حفاظت اور ان کی جانب لوگوں کو متوجہ کرنے کو اپنا ایمان سمجھتے تھے اپنے اس مقصد اور پیغام کو پہنچانے کے لیے انھوں نے سادگی، سلاست و روانی کو بہتر سمجھا اور ایسی تشبیہات، استعارات اور محاوروں کا استعمال کیا جو مقبول عام و خاص ہوں۔ ہلکے پھلکے الفاظ میں تیر و نشتر کا اثر پیدا کیا۔ بھاری بھرکم اور پیچیدہ انداز کے بجائے آسان اور دلکش مگر موثر طرزِ سخن کو اپنایا۔

اپنے مقصد کے حصول کے لیے وہ کہیں ناصح بنے تو کہیں پر مناقشانہ اور کہیں مکالماتی انداز اختیار کیا اور یہ انداز ان کے اردو اور فارسی دونوں کلام میں یکساں طور پر نمایاں ہے۔ اخلاقی قدروں کی پستی سے انکا دل لہولہان تھا۔ دل میں سوز تھا ناصح ہونے کے باوجود انداز کو غیر دلچسپ نہیں ہونے دیا۔ مولانا سماجی اور معاشرتی اصلاح چاہتے تھے مگر انہیں تیز و تند لہجہ قطعی پسند نہ تھا۔ وہ زاہد تھے مگر زاہد خشک نہیں۔ تصوف کے بھی اعلیٰ مقام سے بخوبی واقف تھے مگر زندگی کی سخت ترین جدوجہد سے فرار انکا پیشہ نہ تھا اور نہ گوشہ نشینی کی زندگی انہیں پسند تھی۔

مثنوی نگاری سے دلچسپی کے اسباب ان کی یہ خصوصیات فقط اردو شاعری تک ہی محدود نہ تھی بلکہ فارسی کلام میں بھی ان کے یہ افکار و مقاصد نمایاں ہیں جن کو حاصل کرنے کے لیے انھوں نے مثنوی کو اس لیے زیادہ اہمیت دی کہ اس کا میدان نہایت وسیع ہے اور انسانی جذبات کے مختلف پہلوؤں عشق و محبت، رنج و غم، غیظ و غضب، کینہ و انتقام وغیرہ غرض ہر قسم کے موضوع کو بخوبی سمیٹ لینے کی قوت اس میں موجود ہے۔ انسانی جذبات کی طرح مناظر قدرت، بہار و خزاں، گرمی و سردی، صبح و شام، جنگل و بیاباں، کوہ و صحرا وغیرہ کی تصویر کھینچنے کی صلاحیت بھی اس صنف سخن میں پائی جاتی ہے، اخلاقیات، فلسفہ اور تصوف جیسے دقیق اور غامض مضامین کو بھی یہ ادا کر سکتی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ وہ اپنی فارسی مثنوی نگاری میں اردو کے مقابلے میں کہاں تک کامیاب ہو سکے ہیں۔ اس کے لیے مولانا کے چند ہم مضمون اردو اور فارسی مثنویات کا تقابلی جائزہ لینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کلیات اسمٰعیل مطبوعہ دیال پرنٹنگ پریس دہلی ۱۹۳۹ء میں تقریباً دس ہم مضمون مثنویات موجود ہیں جن میں سے چند کا مختصر جائزہ قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔

۱۔ مثنوی بادو آفتاب:۔ مذکورہ مضمون کو مولانا نے اردو زبان میں "مناقشہ ہوا و آفتاب" کے نام سے نظم کیا ہے اس میں مولانا نے تیزی و تندی کے مقابلہ میں نرمی و آہستگی کو ترجیح دیا ہے جو ان کی حلم پسند طبیعت کا اقتضا بھی تھا اور اخلاقی حیثیت سے بھی اس کو برتری حاصل ہے۔ فارسی کی مثنوی "باد و آفتاب" کے اشعار کی کل تعداد ستره[۱۷] ہے اور اردو مثنوی مناقشہ ہوا و آفتاب تقریباً تیس اشعار پر مشتمل ہے۔ دونوں میں خیالات کی یکسانیت ہے اور دونوں کا انداز بیان بھی مکالماتی ہے۔ مولانا کی قادرالکلامی نے موضوع کے اعتبار سے دونوں مثنویوں میں بندش و چستی میں کسی قسم کی کمی نہیں آنے دی ہے۔ یہاں پر یہ بات قابل غور ہے کہ مولانا کی مادری زبان فارسی نہ تھی۔ چنانچہ باعتبار تعداد اشعار اور روانی و سلاست کے اردو مثنوی میں جو خوبی موجود ہے اسکی بہ نسبت فارسی مثنوی "باد و آفتاب" میں مولانا سنبھل سنبھل کر قدم رکھتے ہیں۔ مگر سلاست ہاتھ سے جانے نہیں دیتے اور نہ بھاری بھرکم اور مشکل الفاظ و محاوروں کے استعمال سے معنی کو پُرپیچ اور بے لطف بناتے ہیں۔ مثال کے لیے چند اشعار اردو و فارسی دونوں مثنویات کے ملاحظہ ہوں:۔

فارسی	اردو
باد با آفتاب عربدہ جست	باد صحرا نے کہا یوں ایک روز
کہ زما ہر دو کیست چابک چست	مہر تاباں سے کہ اے گیتی فروز
کیست پر فن و کدام بے ہنر ست	تو ہے مکلوی اور میں سفلی مگر

از من و تو کہ زور مند تر ست	زور بازو میں ہوں تجھ سے زبر
باید از بہر امتحان محکی	نیر اعظم نے فرمایا کہ ہاں
تا نماند دگر مجال شکی	ہو اگر ثابت زور ہی امتحاں
	بولی جو یوں ہے تو اچھا یوں سہی
	ہاتھ کنگن کے لیے کیا آرسی
	آئیے زور آزمائی کیجیے
	اس بکھیڑے کی صفائی کیجیے

چونکہ بات نزاع کی تھی اس لیے کلام میں زور پیدا کرنا بھی لازم تھا۔ اردو میں کہی گئی مثنوی کے اشعار کی تعداد زیادہ ہے اور زبان بھی بامحاورہ ہے تاہم یہ نہیں کہا جاسکتا کہ فارسی مثنوی میں کوئی خامی ہے۔ کم سے کم الفاظ کا سہارا لے کر دل نشین انداز میں بات واضح کی گئی ہے جو ان کا خاص انداز ہے۔ سادگی اور روانی بھی باقی ہے اور دلکشی بھی اردو کے اشعار سے کم نہیں۔

مولانا جہاں پر اصل مقصد بیان کرتے ہیں دونوں ہی مثنویاں ایک دوسرے کا ترجمہ معلوم ہوتی ہیں:۔

در بیاباں مسافری دیدند	اک مسافر اپنی دھن میں تھا رواں
از بہائے نشانہ بگزیدند	اسکو ان دونوں نے تاکا ناگہاں
شرط کردند تا بقوت خویش	ہوگئے آپس میں طے قول وقرار
بکند ہر کہ جامۂ درویش	جو لبادہ لے مسافر کا اتار
لب بہ دعوی فصل بکشاید	بس اسی کے نام کا ڈنکا بجے

ورنہ بیہودہ تر از کم خاید	سر پہ دستار فضیلت وہ بجے

آگے اشعار میں مناقشہ کا بہترین انداز دیکھنے کو ملتا ہے:۔

مرد چون موج تیز صرصر دید	جب ہوا لیتی تھی چکر میں لپیٹ
دامن و آستین سبک برچید	بیٹھ جاتا تھا وہ دامن کو سمیٹ
بہ بر و دوش چست کرد عبا	باندھ لی کس کر مسافر نے کمر
گشت ایمن ز صرصر وز صبا	تا ہوا کا ہو نہ کپڑوں میں گذر
باد چندان کہ شور و شر انگند	تھک گئی آخر نہ اس کا بس چلا
نتوانست جامہ اش بر کند	ٹل گئی سر سے مسافر کی بلا

جہاں پر مولانا اس مناقشہ کے ہیرو "آفتاب" کا ذکر کرتے ہیں انکا انداز دونوں میں ہی ایک ایسے صاحب فن کا ہوجاتا ہے جو اپنے ہیرو کی فتح پر جی کھول کر خوش ہوتا ہے چنانچہ ذیل کے اشعار میں مولانا کا زور کلام قابل دید ہے:۔

فارسی	اردو
آفتاب آمدہ بنوبت کار	تمکنت چہرے سے اسکے آشکار
کرد آغاز تافتن بہ وقار	چال ٹک ٹک بردباری اور وقار
اندک اندک حرارتی افزود	جب چڑھا خورشید سمت الراس پر
مرد ناچار بند جامہ گشود	بیٹھ کر سایہ میں پھر تو گھاس پر
از بن موئی خوی بجوش آمد	دور پھینکا اس لبادہ کو اتار
تا عبایش وبال دوش آمد	واہ رے سورج لیا میدان مار

اگرچہ اردو مثنوی کے بعد کے اشعار میں مولانا نے جس بامحاورہ زبان کا

استعمال کیا ہے وہ فارسی میں نہیں ہے تاہم معنی میں فرق نہیں آنے دیتے۔ ذیل کے اشعار میں انھوں نے ناصحانہ انداز اپناتے ہوئے کہا :۔

بعد از آن آفتابِ باتپ وتاب	تیزی و تندی کے گردیدہ ہیں سب
نیز بابادِ تندکرد خطاب	کامیابی کا مگر ہے اور ڈھب
کہ بآہستگی بر آید کام	اس کا گر ہے نرمی وآہستگی
نہ بہ تندی و تیزی وابرام	سرکشی کی رگ اس سے ہے دبی

۲۔ **کشفی وخرگوشی**:۔ اس مثنوی کو مولانا نے اردو میں "ایک کچھوا اور خرگوش" کے نام سے نظم کیا ہے۔ فارسی مثنوی کے اشعار کی تعداد سولہ[16] ہے۔ اور اردو مثنوی اڑتیس اشعار پر مشتمل ہے۔ علاوہ بریں ایک نمایاں فرق یہ ہے کہ دونوں کا انداز بیان جدا ہے۔ تاہم موضوع کے اعتبار سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ فارسی مثنوی اردو مثنوی سے کسی طرح کم ہے۔ دونوں مثنویات میں ہمیشہ کی طرح صبر وتحمل، ہمت وپامردی کی ترغیب دیتے ہیں اور خرگوش کے تکبر کو کچھوے کی ناتوانی اور بیچارگی کے مقابلے میں ذلیل ٹھہراتے ہیں اور یہ واضح کرتے ہیں کہ کبر وغرور کا سر ہمیشہ نیچا ہوتا ہے اور پیہم جد وجہد وقتی جوش و خروش سے بہتر ہے کیونکہ خود نمائی اور خوش فہمی خرگوش کے مانند انسان کو بھی خواب غفلت میں ڈالدیتی ہے چنانچہ کہتے ہیں :۔

فارسی	اردو
دور تر نقطۂ نشان دادہ	الغرض اک مقام ٹھیرا کر
رو بآن نقطہ ہر دو افتادہ	ہوئے دونوں حریف گرم سفر

کشف آہستہ تر قدم بہ قدم	بسکہ زوروں پہ تھا چڑھا خرگوش
بے درنگی ہمی رود پیہم	تیزی پھرتی سے یوں بڑھا خرگوش
باز خرگوش تند گشتہ روان	جس طرح جائے توپ کا گولا
تیز تر ہم جو باد و برق دوان	یا گرے آسمان سے اولا
سیر وگردش کنان یمین ویسار	ایک دو کھیت چوکڑی بھر کے
باز گردیدہ بر خط رفتار	اپنی چستی پہ آفرین کرکے
یک دو میدان دویدہ در نفسی	کسی گوشہ میں سو گیا جاکر
خویشتن را ہمی ستودہ بسے	فکر کیا ہے چلیں گے ستا کر

مذکورہ بالا اشعار کے مطالعہ سے یہ واضح ہے کہ اردو مثنوی کے تمہید کے اشعار میں فارسی مثنوی کے نسبت زور کلام، چستی، دلکشی اور اثر زیادہ ہے۔ خرگوش کے ذریعہ کیے گئے طعن وتشنیع کو مولانا نے اصل حکایت سے قبل کئی اشعار میں نظم کیے ہیں مگر فارسی میں انہیں افکار کو انہوں نے فقط ایک شعر میں ادا کر دیا ہے۔ پھر بھی مولانا کا یہی ایک شعر اردو مثنوی کے کئی اشعار پر فوقیت رکھتا ہے۔ شعر حسب ذیل ہے:۔

خندہ بر سستی حریف زدہ	طعن وتشنیع بر ضعیف زدہ

مصرعہ دوم میں لفظ ضعیف کا استعمال کرکے مولانا نے خرگوش کی مغرور طبیعت اور اس کی دون ہمتی کو واضح کر دیا ہے۔ نیز خرگوش کی غفلت اور بے پروائی کو بھی بڑے سادہ اور سلیس انداز میں بیان کیا ہے :۔

فارسی	اردو
چون حریفش بگہ داو نرسید	ایک دو کھیت چوکڑی بھر کے

پا زرفتار باز پس بکشید — اپنی چستی پہ آفریں کرکے
گفت حالا دمی بیاسایم — کسی گوشہ میں سوگیا جاکر
خود چرا زود راہ پیمایم — فکر کیا ہے چلیں گے ستاکر
ہمہ را ور روش بداد از یاد
دیدہ بربست و سر بخواب نہاد

اہلِ نظر اردو، فارسی دونوں مثنویوں کے اشعار کے مطالعہ سے یہ فیصلہ کرسکتے ہیں کہ مولانا کے فارسی اشعار اردو کے اشعار پر ہر لحاظ سے فوقیت رکھتے ہیں۔ اگرچہ اردو مثنوی کے آغاز میں مولانا نے بڑی جولانی دکھائی ہے اور اس امر میں قطعی کلام نہیں کہ مذکورہ اشعار میں کمال کی روانی اور دلکشی ہے، محاوروں کے استعمال سے حسن دوبالا ہوجاتا ہے مگر اصل مدعا جہاں پر بیان کرنا چاہتے ہیں وہاں پر اردو کے مقابلے میں فارسی مثنوی اشعار میں زور زیادہ ہے۔ الفاظ کا استعمال جس سلیقہ سے کیا ہے وہ اردو میں نہیں ملتا اور یہ مولانا کی فارسی گوئی کا کمال ہے۔

چونکہ حکایت مناقشانہ ہے، خرگوش کو اپنی تیزیٔ رفتار پہ جو کبر و غرور ہے یہی اس کی کامیابی میں سدِ راہ ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ ذیل کے شعر میں وہ تمام چیزیں یکجا ملتی ہیں :۔

چوں حریفش بگرد او نرسید — پا زرفتار باز پس بکشید

اردو اور فارسی دونوں مثنویوں کے آخری اشعار سے کچھوے کی لاچاری اور بے چارگی کے باوجود اس کی شجاعت اور محنت کش ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

مولانا کا ناصحانہ انداز یہاں بھی موجود ہے۔ ساتھ ہی ان اشعار میں محنت اور مشقت کی ترغیب بھی ملتی ہے جو اس مثنوی کی جان ہے۔ اشعار حسب ذیل ہیں :۔

رہ بریدہ بزحمتِ بسیار — کام کرتا رہا جو پے در پے
پیشتر آمدہ بجای قرار — کرگیا رفتہ رفتہ منزل طے

اور خرگوش کے عبرتناک انجام کو مولانا نے اردو میں اس طرح بیان کیا ہے۔

حیف خرگوش رہ گیا سوتا — ثمرہ غفلت کا اور کیا ہوتا
صبر و محنت میں ہے سرفرازی — سست کچھوے نے جیت لی بازی

مگر فارسی مثنوی میں مناقشہ کا فیصلہ خود قاری کے اوپر چھوڑ دیا ہے :۔

خود بدانید تا کہ برد کہ باخت — رخشِ فرزانگی بجا ید تاخت

دوسری مثنویاں | ایسی ہی ہم مضمون مثنویات میں ایک مثنوی بہ عنوان "شیر" بھی ہے۔ مولانا کی دقیق النظری کا کمال ہے کہ انھوں نے ایک درندہ کی دونوں صفتوں خوبی اور خامی کو دیکھا اور الفاظ کے جامے میں پیش کیا اس میں شیر اپنی قوت کی بنا پر اور ظلم و تشدد کے سبب دیگر تمام جنگلی جانوروں پر حکومت کرتا ہے اور سب جانور اس کے جبر و تشدد سے مجبور ہوکر ڈرے سہمے اس کی بادشاہت قبول کرتے ہیں، مگر ایسی بادشاہت لعنت کا سبب بنتی ہے اور تمام جانور اس سے نفرت کرتے ہیں۔ بغض و عناد رکھتے ہیں۔ چنانچہ مولانا نے "شیر" کو ایک حاکم کی شکل میں پیش کرکے بادشاہوں کے ستودہ اوصاف اور ظلم و تشدد کے برے نتائج کو بڑی خوبی کے ساتھ پیش کیا ہے اور یہ واضح کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے کہ جبر و تشدد پہ حکومت کی بنیاد قائم تو کیجا سکتی ہے مگر

یہ بنیاد پائدار نہیں ہوتی۔ اپنے اس مقصد کو مولانا نے اپنی فارسی مثنوی میں نہایت سادگی اور پُرکاری سے موثر انداز میں بیان کیا ہے۔ شیر کی شجاعت خود اسکی زبان حال سے ادا کر کے اس کے کبر و غرور اور خود نمائی اور خود ستائی کو واضح کیا ہے جو بظاہر بہت دلچسپ اور خوبصورت ہے مگر در پردہ ان اوصاف کی خامی بھی ظاہر کی ہے۔ چند اشعار بطور نمونہ پیش خدمت ہیں۔

شیر بگوید کہ منم پادشاہ — نیست مرا حاجتِ تاج و کلاہ
ناخن و سرپنجہ و دندانِ من — بس بود این دبدبۂ شانِ من
بانگ زنم تند چو بر دام و دد — زلزلہ در کوہ و بیاباں فتد
بو سرِ صیدے کہ کنم پنجۂ تیز — پوست بدرم کنمش ریزہ ریزہ

- - - - - - - - - - - - -

- - - - - - - - - - - - -

مگر یہ بہادری یہ کر و فر یہ شان و شوکت انصاف پسند شاعر کو یہ کہنے پر بھی مجبور کر دیتی ہے کہ :-

حیف بریں خوے تو اے شرزہ شیر — از چہ بخون دگرانی دلیر
چون تو نخواہم کہ شوم پادشاہ — پادشہِ ظالم و کم خیر خواہ

مولانا نے فارسی مثنوی میں جہاں "شیر" کی فطرت کو اس کی خامی کی شکل میں پیش کیا ہے وہیں اپنی اردو مثنوی بعنوان "شیر" میں اس کی شجاعت اسکے شاہانہ جاہ و جلال، جوش و خروش، رعب و دبدبہ کو بڑے حسین انداز میں پیش کیا ہے اشعار ملاحظہ فرمائیں :-

اے شیر تیرے تن پہ ہے طاقت کا پوستیں — شاہی کے حق میں کوئی بھی ساجھی ترا نہیں
پیدا ہے تیرے رخ سے تری شوکت اور جلال — ظاہر ہے تیری شکل سے باطن کا تیرے حال
تیرا حریف کون ہے جو تو ہٹے بچے — جھپکے نہ تیری آنکھ نہ گردن تری لچے

- - - - - - - - - - - - - - - - -

- - - - - - - - - - - - - - - - -

ان اشعار کے بعد مولانا نے شیر کی فولادی قوت کے فائدوں کا بھی بڑے دلکش اور دلنشین انداز میں ذکر کیا ہے :-

اے شیر گرم خطہ ہے تیرے لیے وطن — بیہڑ ہو نیستاں ہو جھاڑی ہو یا ہو بن
لو ہو کہ گرم دھوپ ہو یا ریگزار ہو — تینوں غضب ہیں کیوں نہ مسافر شکار ہو
اے شیر تو ہے شاہ سر تخت ہے کچھار — ہے کس کو تیرے ملک میں دعوئ گیر و دار

اس طرح تمثیلی انداز میں پادشاہی کے ستودہ اوصاف کو بیان کر کے مولانا نے اپنی قادر الکلامی کا ثبوت دیا ہے

رب العالمین کی تمام مخلوقات خواہ ہیبت ناک درندہ "شیر" ہو یا "مور ناتواں" شجر و حجر ہوں یا کوہ و دشت مولانا نے سب کا بنظر غائر مشاہدہ کیا اور ہر ایک کے اندر موجود خوبی و خامی کو اپنے انداز میں پیش کیا یہ مولانا کی فہم و ذکا اور ان کا ادراک تھا جس نے مور ناتواں سے بھی بہترین سبق حاصل کیا اور نیرنگی طاؤس کے کبر و غرور کو اشرف المخلوقات کے لیے درس عبرت بنا کر پیش کیا۔ چنانچہ انھوں نے اردو زبان میں ایک مثنوی "مور و کلنگ کی کہانی" کے عنوان سے ایک مناقشہ کی صورت میں پیش کیا ہے اور فارسی میں فقط "طاؤس" کے نام سے مثنوی کہی ہے۔ مذکورہ دونوں

مثنویوں کا مقصد ایک ہے مگر انداز جدا ہیں۔ بطور نمونہ چند اشعار پیش ہیں:۔

نہ بینی کہ طاؤس گردن فراز　　　گشاید ہمی بال و پر ہا بناز

ز قوس قزح رنگہایش فزوں　　　تو گوئی کہ از جنت آمد بروں

ولی بانگِ ناخوش کند متصل　　　چو شب بشنوم ہولم آید بدل

سخی برگزیدم ازین جانور　　　کہ دانش بہ است از قباہای زر

شرف آدمی را نبخشد لباس　　　چہ دیبای معلم چہ کہنہ پلاس

- - - - - - - - -　　　- - - - - - - - -

وخود بینی و عجب و کبر و غرور　　　نہ راحت میسر شود نے سرور

مور کے حسن و جمال کو بیان کرنے کے بعد مولانا کی توجہ اس خوبصورت پرندہ کی خود نمائی اور اس کے کبر و غرور کی طرف جب جاتی ہے تو ان کو اس حسن میں بھی قباحت نظر آنے لگتی ہے اور کہتے ہیں:۔

ولی بانگ ناخوش کند متصل　　　چو شب بشنوم ہولم آید بدل

اتنے پر ہی موقوف نہیں کرتے بلکہ ایک نصیحت پیش کرتے ہیں کہ آدمی کو شرف اس کے لباس زریں سے نہیں بلکہ علم و عقل و دانش سے حاصل ہے۔

اس عنوان کو مولانا نے اردو میں بھی بڑی روانی اور سادگی کے ساتھ ایک مور اور کلنگ کی کہانی کے عنوان سے نظم کیا ہے۔ آغاز مثنوی میں تو مولانا مور کے حسن و جمال کو بڑے پُرجوش انداز میں بیان کرتے ہیں مگر اسی ضمن میں مولانا کی مقصدیت غالب آجاتی ہے اور جب کلنگ سے مور کہتا ہے:۔

میری سی کہاں ہے آپکی دم　　　کر سکتے نہیں مقابلہ تم

تو مولانا کی انکساری میں جوش پیدا ہو جاتا ہے اور کلنگ کی زبانی مور کی خامیوں پر اس کی توجہ مبذول کرانے لگتے ہیں چنانچہ منکسر المزاجی کے باوجود کلنگ یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے:۔

لیکن نہیں کچھ بھی کام آتے　　　بچوں ہی کے دل کو ہیں لبھاتے

مناقشہ کا خاتمہ بھی بڑے خوبصورت انداز میں پیش کرتے ہیں۔

منھ اپنا سا لے کے رہ گیا مور　　　تھا اسمیں کہاں اڑان کا زور

بھاتا ہے جنھیں نرا دکھاوا　　　وہ لوگ ہیں مور کے بھی باوا

بس ان کو ہے ٹیپ ٹاپ کی دھن　　　شیخی کے سوا نہیں کوئی گن

مولانا نے اپنے فصیح محاوروں سے اردو مثنوی میں حلاوت اور چاشنی پیدا کر دی ہے، دیکھکر دنگ رہ جانا، دل لبھانا، منھ اپنا سا لے کر رہ جانا وغیرہ۔ گو فارسی مثنوی بھی الفاظ کی چستی اور خوبصورت تشبیہات کے لحاظ سے اپنے اندر کم دلکشی نہیں رکھتی۔

اسی طرح سے مولانا نے اور بھی کئی ہم مضمون مثنویات اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں نظم کی ہیں، مثلاً سگی، مادر و طفلکی جسے اردو میں ماں اور بچہ کے نام سے نظم کیا ہے۔

ہم مضمون اردو فارسی مثنویات کے علاوہ دیگر فارسی مثنویات بھی ان کے کلیات میں موجود ہیں جو موضوع اور بیان دونوں اعتبار سے نہایت اہم ہیں۔ اگرچہ وہ مضامین مولانا کی اردو مثنویات میں نہیں ملتے تاہم دیگر اصناف سخن میں موجود ہیں۔ وفاشعاری، راست بازی، عدل و انصاف غرض تمام ناصحانہ مضامین گو اپنے اندر دلکشی نہیں رکھتے اور خشک ہوتے ہیں مگر یہ مولانا کا کمال ہے کہ

انھوں نے ایسے خشک مضامین میں بھی کیف و حلاوت اور چاشنی پیدا کر دی ہے۔
ایسی ہی مثنویات میں ایک مثنوی "کاخِ ویرانہ" ہے جس میں مولانا نے ایوان شاہی کے عبرتناک انجام کو بڑے موثر انداز میں پیش کیا ہے۔ مثنوی مذکور کے اشعار کی تعداد کل ۱۴ سولہ ہے اور یہ مولانا کی قادر الکلامی ہے کہ ہر شعر میں انتہائی درد اور اثر موجود ہے اس کے ہر لفظ سے حسرت و یاس نمایاں ہے۔ تمام اشعار کا نقل کرنا تو ممکن نہیں تاہم چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں:۔

بگشتیم روزی به ویرانهٔ — که بوده ست ایوان شاہانهٔ
ندا آمد از تودهٔ سنگ و خشت — کو بودیم وقتی چو خرم بہشت

- - - - - - - - - - - - - - - -

- - - - - - - - - - - - - - - -

بزرگانِ با شوکت و ارجمند — نشسته درین بارگاہ بلند
بیک ناگہان گردشِ روزگار — ببرد از چمن رونقِ نوبہار

- - - - - - - - - - - - - - - -

- - - - - - - - - - - - - - - -

تمام جاہ و حشم و رونقِ بہار چشم زدن میں نابود ہو گئی اور پہلے کی رونق کی جگہ ویرانے نے لے لی۔

زدنیا بدین بقعہ یک تن نماند — شب آمد ولی شمع روشن نماند
بجا ہائی ایوانِ آراستہ — گیا رُستہ و خاربُن خاستہ

- - - - - - - - - - - - - - - -

- - - - - - - - - - - - - - - -

- - - - - - - - - - - - - - - -

نام و نشان مٹ گیا طاق و ایوان باقی نہ رہے حتیٰ کہ اس بربادی پر آنسو بہانے والا بھی کوئی باقی نہ رہا۔ ہاں اگر کچھ باقی رہ گیا تو وہ ہے عدل و انصاف کی داستان:۔

نکو یادگاری کہ عدل ست و داد — ازایشان ہمی خلق دارد بیاد

یہ تو مولانا کا وہ عام انداز ہے جو ان کی اردو و فارسی شاعری میں جابجا ملتا ہے۔ ان کے علاوہ مولانا کا ایک اور رنگ ہمیں ان کی فارسی شاعری میں بھی دیکھنے کو ملتا ہے وہ ہے تصوف مولانا چونکہ صاحب طریقت تھے اور مقامات تصوف سے اچھی طرح واقف بھی، چنانچہ اپنے اردو کلام میں ایک جگہ کہتے ہیں:۔

"اگر پوچھے کوئی مجھ سے سنین ہجری و فصلی
مقامات طریقت ہے مقالات طریقت ہے"

ان کا یہ رنگ ان کی شاعری میں ہر جگہ غالب ہے۔ مولانا کا تصوف سے قلبی تعلق تھا اور یہ تعلق خاطر ہمیں ان کی ایک فارسی مثنوی میں جو انھوں نے اپنے پیر و مرشد حضرت مولانا سید غوث علی شاہ پانی پتی کے وصال پر کہی تھی..... جس آب و تاب اور پورے سوز و گداز کے ساتھ دیکھنے کو ملتا ہے ان کے کلام میں کہیں اور دیکھنے کو نہیں ملتا۔ مولانا تصوف کے رموز سے خوب واقف تھے چنانچہ مثنوی مذکور میں عشق کے تمامتر مدارج کے ساتھ ضبطِ نفس، ترکِ دنیا، صبر و قناعت، فقر و استغنا، راضی برضائے الٰہی اور فنا فی البقاء، غرض تمام چیزیں یہ دیکھنے کو ملتی ہیں۔ مقالۂ ہذا میں مولانا کے متصوفانہ کلام پہ تفصیلی بحث ممکن نہیں چنانچہ اس رنگ کے چند اشعار درج ذیل ہیں:۔

۱۔ تو بری از اقتران و افتراق
از خیالات است این ہجر و فراق

۲۔ جذر و مدِ بحر و ہم موج و حباب
گر بسنجی جملہ یک آب است آب
(فنا)

۳۔ نیست مردانِ خدا را ہیچ بند
برتر ست از جسم و جاں بیچون و چند
(آزاد نفسی)

۴۔ ایں حیات و ایں ممات از شرک ہست
وحدتِ مطلق بود در خویش مست
(وحدت الوجود)

۵۔ آنکہ او زندہ است حی و قائم است
لایموت و لایزال و دائم ست
(بقا)

۶۔ نقدِ درویشاں تہیدستی بود
دستِ منزدِ شاں ہمی مستی بود
(فقر)

صاحب المثنوی

(قاضی تلمذ حسین مرحوم گورکھپوری)

مشہور صوفی شاعر مولانا جلال الدین رومیؒ کی شہرۂ آفاق مثنوی میں جس دلنشین طریقہ سے اسلامی عقائد و اعمال اور تصوف کے مسائل کو سمجھایا گیا ہے اسکی نظیر کسی دوسری کتاب میں مشکل سے مل سکتی ہے قاضی تلمذ حسین صاحب نے اس کتاب میں انکی مفصل و محققانہ سوانح لکھی ہے۔

اردو میں سب سے پہلے مولانا شبلیؒ نے مولانا رومؒ کی سوانح عمری لکھی تھی لیکن اس میں سوانح کا حصہ بہت مختصر ہے زیادہ زور مثنوی کی خصوصیات دکھانے میں صرف کیا گیا ہے جو مصنف کا اصل مقصود تھا۔ سوانح کی اس کمی کو اس کتاب میں پورا کیا گیا ہے۔ قیمت ۶۵ روپے۔

"منیجر"

سنسکرت سے ماخوذ عربی۔ فارسی اور اردو ادب

از جناب رام لعل نابھوی۔

(۳)

مختلف کتب اردو

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف یا مولف	مخطوطہ یا مطبوعہ	تاریخ مخطوطہ	سال طباعت نام پریس	صفحات	سائز	منظوم یا منثور	کیفیت
۱	ہتوپدیش					۳۴۴			اردو ترجمہ ۳۴۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ دیکھئے مقالات نگار سالنامہ جلد اول ص ۲۶
۲	پرابودھ چندرادے								"پرابودھ چندرادے" مشہور سنسکرت ڈراما کا اردو ترجمہ شایع کیا ہے۔ دیکھئے مقالات نگار سالنامہ ص ۳۲۔
۳	پرابودھ چندرادے								قبل جگجیون داس دہلوی اردو میں لکھ چکے ہیں " " "
۴	الکھ پرکاش					۴۰۸			اپنشد کا ترجمہ اردو۔ منشی کنہیالال ۴۰۸ صفحات " " " ۳۴
۵	سنسکرت کے شلوکوں کا ترجمہ	راگو بندر راؤ جذب							دیکھئے داستانِ حیدرآباد صفحہ ۱۸۳۔

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف مولف	مطبوعہ مخطوطہ	تاریخ مخطوط	سال طباعت نام پریس	صفحات	سائز	منظوم منثور	کیفیت
۶	کلیلہ و دمنہ								ڈاکٹر رشید علی نے ۱۸۹۱ء آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس ششم میں علی گڑھ میں پڑھا اور ۱۸۹۲ء میں مطبع مفید عام آگرہ میں چھپوایا۔ دیکھئے تمدن عرب صفحہ ۱۰۔
۷	اپنشد								پہلے اپنشد کو جو ایشا اپنشد کہلاتا ہے اکتوبر ۱۹۰۹ء کے رسالہ مخزن میں چھپوایا۔ دیکھئے تمدن عرب صفحہ ۱۲۔
۸	مجموعہ اپنشد								موہن سنگھ وئید کلکشن پنجابی یونیورسٹی۔ پٹیالہ
۹	سالکھیئے فلاسفی								ایضاً
۱۰	اپنشد ترجمہ								ایضاً
۱۱	بھگت مال				مطبع ہند ۱۹۲۵ء	۳۵۶	بڑا	منثور	نابھوی کتب خانہ۔ یہ دوبارہ چھپی۔ پہلے کو نہ مطبع میں ۱۹۱۱ء میں چھپی تھی۔
۱۲	آتما پوجن	ہیرالال ماتھر جج	مطبوعہ	×	نولکشور ۱۸۹۸ء	۷	بڑا	منثور	نابھوی کے پاس ہے۔
۱۳	کتھا ست نرائن	ہیرالال نگماہیر	"	×	نولکشور ۱۸۷۳ء	۱۴	"	منظوم	" "
۱۴	شکنت چالیسی	شنکر دیال فرحت	"	×	نولکشور ۱۹۲۴ء	۱۶	چھوٹا	"	" اسکا ایک اور نسخہ ۱۹۰۷ء کا نابھوی کے پاس ہے۔

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف مولف	مطبوعہ غیر مطبوعہ	تاریخ قلمی	سال طباعت نام پریس	صفحات	سائز	منظوم یا منثور	کیفیت
۱۵	سداماں چرتر	شنکر دیال فرحت	مطبوعہ	×	نولکشور ۱۹۲۰ء	۱۸	ڈیمائی	نظم	نابھوی کے پاس ہے
۱۶	گجیندر موکش	جگن ناتھ	"	×	نولکشور ۱۸۹۹ء	۸	-	"	" "
۱۷	چربٹ پنجریکا سنسکرت کا ترجمہ اور دھوت کا ترانہ	منور لکھنوی	"	×	محبوب المطابع ۱۹۵۸ء	۱۶	چھوٹا	"	" "
۱۸	بشن سہسرنام	×	"	×	مطبع افتخاری	۸۸	بڑا	منثور	" سنسکرت متن ساتھ ہے۔
۱۹	پتنجلی کرت یوگ درشن کا ترجمہ	جگدیش چندر واچسپتی	"	×	ڈی جیال اینڈ سنز ۱۹۴۳ء	۲۸۸	چھوٹا	"	نابھوی کے پاس ہے۔
۲۰	پتنجلی کرت یوگ درشن کا ترجمہ مع سنسکرت	×	"	×	ودیا ساگر پریس ۱۹۰۰ء	۹۵	بڑا	"	" "
۲۱	اردو وشٹانکر	کیول کشن خالص	"	×	نولکشور ۱۸۷۱ء	۱۳۱	"	"	" "
۲۲	بشن سہسرنام	رائے پھوندن لعل	"	×	گیان پریس	۸۷	ڈیمائی	"	" "
۲۳	اشٹانکر گیتا	نرسنگھ داس	"	×	×	۸۰	چھوٹا	"	" "
۲۴	مجموعہ اپنشد	پیارے لال	"		۱۹۰۰ء ودیا ساگر پریس				جلد اول دیکھئے زبان وادب اپریل ۱۹۶۷ء صفحہ ۲۹۔
۲۵	اپنشد مع شرح	سورج نرائن مہر	"						چار جلدوں میں۔ جلد اول ۱۹۱۴ء۔ جلد سوم ۱۹۱۵ء اور جلد دوم و چہارم ۱۹۱۷ء۔ دیکھئے زبان وادب اپریل ۱۹۶۷ء۔

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف یا مولف	مطبوعہ غیر مطبوعہ	تاریخ قلمی	سال طباعت	صفحات	سائز	منظوم منثور	کیفیت
۲۶	اپنشادوں سے اپنشد کے آٹھ منتر پیام راحت کے نام سے	بھاگ مل سینی			۱۹۲۹ء الیکٹرک پریس جالندھر				دیکھئے زبان وادب اپریل ۱۹۶۷ء
۲۷	چھانگیہ اپنشد معیارِ مکاشفہ	باوا گمیندر سنگھ بیدی	مطبوعہ		آنند پریس لاہور				" "
۲۸	کٹھ۔ کین۔ ایش۔ اپنشد	درشنانند سرسوتی	"		۱۹۳۷ء مفید عام پریس لاہور				" "
۲۹	منوسمرتی	ایشرداس مترجم							دیکھئے صفحہ ۱۷، فہرست کتب عربی وفارسی سکھ ریفرنس لائبریری گوردوارہ پربندھک کمیٹی امرتسر۔
۳۰	لیلاوتی فیضی	دیبی چند			سیالکوٹ ۱۲۷۱ ہجری				دیکھئے فہرست کتب پنجاب پبلک لائبریری لاہور ۱۹۳۶ء صفحہ ۷۰۔
۳۱	سنگھاسن بتیسی	رنگ لال			لکھنؤ ۱۸۷۱ء				" " ۱۴۴
۳۲	شکنتلا	کالیداس			سیالکوٹی ۱۹۳۵ء				" " " ۱۴۱
									یہ نمبر ۹۲ پر پھر درج ہوئی ہے۔
۳۳	وکرم اروسی	مرتبہ محمد عزیز مرزا			لکھنؤ ۱۹۰۷ء				" " ۱۴۱
۳۴	پربودھ چندرودے ناٹک کا ترجمہ رسالہ تہذیب مقال	آغا حسن			گوجرانوالہ				" " ۱۳۷
۳۵	اکھنڈ پرکاش ترجمہ اپنشد	کنھیا لال الکھ دھاری			سیالکوٹ			"	" " ۱۷۸

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف مولف	مطبوعہ غیر مطبوعہ	تاریخ قلمی	سال طباعت نام پریس	صفحات	سائز	منظوم منثور	کیفیت
۳۶	اپ مکند پرکاش	مہاراج داس المعروف غریب نشی	مطبوعہ	×	لاہور ۱۹۰۰ء				دیکھئے فہرست کتب اردو پبلک لائبریری لاہور صفحہ ۱۷۸
۳۷	کرپال بھی اپ ونت مہن اسونتر	رام سہائے			لکھنؤ				" " ۱۸۰
۳۸	کتھا ست نرائن	بجھاور سنگھ			لکھنؤ ۱۸۸۰ء				" " "
۳۹	ست نرائن کتھا	جگن ناتھ			لکھنؤ ۱۸۸۵ء				" " "
۴۰	پاراسر سمرتی				گوجرانوالہ				" " "
۴۱	رام بلاس ترجمہ	رام بھروس			"				" " "
	پنڈت وسنت سجانت								
۴۲	دھرم ساگر ترجمہ منوسمرتی				سیالکوٹ				" " "
۴۳	ترجمہ جاگولک سمرتی				گوجرانوالہ				" " "
۴۴	بھگت پال	تلسی رام			لکھنؤ ۱۹۳۷ء				" " ۱۸۴
۴۵	ویرم درپن ترجمہ اسمرتی	محل سنگھ			گوجرانوالہ				" " "
۴۶	لال چندر رکھا ترجمہ				لکھنؤ				" " "
۴۷	نایک نتی اور بھرتری ہری شتک ندائے درشن گوتم	ورشانند			لاہور ۱۹۱۱ء				" " ۱۸۷
۴۸	وسشک درشن	"			"				" " "
۴۹	سانکھ درشن	"			"				" " "

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	مطبوعہ غیر مطبوعہ	تاریخ قلمی	نام پریس سال	صفحات	سائز	منظوم منثور	کیفیت
۵۰	راج یوگ (یوگ درشن کا ترجمہ)	سوامی ویویکانند مترجم شوبرت لال	مطبوعہ						دیکھیے فہرست کتب اردو پبلک لائبریری لاہور ۱۹۳۶ء صفحہ ۱۸۸
۵۱	در نیتی	منی رام فارغ			میرٹھ ۱۸۹۸				فہرست کتب اردو سکھ ریفرنس لائبریری شرومنی گوردوارہ پربندھک کمیٹی، ۱۹۵۷ء صفحہ ۹
۵۲	راج ترنگنی	اجودھیا پرشاد پنڈت							بشرح صدر
۵۳	سانکھیہ درشن	دیوان چند			آتما رام لاہور				بشرح صدر صفحہ ۲۵
۵۴	پیام راحت (ایسا اور سیدا اپنشد کا ترجمہ)				ہوشیار پور				" ۴۲
۵۵	گیت گووند	گلاب رائے پنڈت			فیض علم مطبع ۱۹۴۹ء				" ۵۲
۵۶	منوسمرتی		مطبوعہ		۱۸۸۳ء				فہرست کتب آصفیہ لائبریری حیدرآباد صفحہ ۱۵۴۷
۵۷	ویشنگ شاستر	پیارے لال	"		۱۹۰۰ء				" " "
۵۸	یوگ شاستر	"	"		"				" " "
۵۹	ایش اپنشد	×	"	×	ستمبر ۱۹۲۳ء ... آباد	۸۰	چھوٹا	منثور	کتب خانہ نابھوی
۶۰	منوسمرتی اردو ترجمہ	×	"	×	علی گڑھ	۳۴۳	"	"	" "
۶۱	معیار الکاشفہ (چھاندوگیہ اپنشد کا ترجمہ)	باوا نگینہ سنگھ	"	×	ابراہیم پریس لکھنؤ	۲۳۹	"	"	" "

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف مولف	مطبوعہ غیر مطبوعہ	تاریخ قلمی	نام پریس سال	صفحات	سائز	منظوم منثور	کیفیت
۶۲	آتم ساکشات کار ترجمہ شنکراچاریہ	پرکاش [illegible]	مطبوعہ	×	نولی آرٹ پریس الہ آباد	۱۲۸	چھوٹا	منثور	کتب خانہ نابھوی
۶۳	چھاندوگیہ اپنشد	سورج نرائن مہر	"	×	سادھو پریس ۱۹۱۷ء	۳۲۰	"	"	" "
۶۴	تتو بودھ اردو ترجمہ شنکراچاریہ کرت	نرسنگھ داس جی	"	×	ڈیرہ دون	۳۲	"	"	" "
۶۵	جگجیت سرگیہ ترجمہ	باوا نگینہ سنگھ بیدی	"	×	لکھنؤ گلشن	۸۰	ڈیمائی	"	" "
	ایشاواسیہ اپنشد				ابراہیمیہ ۱۹۲۳				
۶۶	منوسمرتی	بھگوان دیال عاقل	"						دیکھیے تصویر ایک صفحہ کی دھرم لیگ ۵ اپریل سنہ ۱۹۰۷ء
۶۷	طرز حکمت ترجمہ کلیلہ و دمنہ	دیبی پرشاد بشاش	"					منظوم	راجستھان میں غیر مسلم حضرات کی فارسی خدمات۔ عربک انسٹی ٹیوٹ ٹونک صفحہ ۳۴۴
۶۸	نل دمن	بھگونت رائے کاکوروی	"		۱۲۴۳ ہجری	۴۸	ڈیمائی	"	نابھوی کتب خانہ
۶۹	اپنشد یجروید برہمانند ولی	شیو پرشاد راحل	قلمی		سنہ ۱۹۱۶ء	"	"	"	" "
۷۰	ایشا و دس اپنشد	"	"		۱۹۱۶	۸	"	"	" "
۷۱	اپنشد بھوگ ولی	"	"		"	۱۱	"	"	" "
۷۲	گربھ اپنشد	"	"		"	-	"	"	" "
۷۳	اپنشد رگ وید	"	مطبوعہ		"	۱۳	"	"	" "
۷۴	شبت اپنشد	"	قلمی		"	۳۱	"	"	" "

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف مولف	مطبوعہ غیر مطبوعہ	تاریخ قلمی	نام پریس سال	صفحات	سائز	منظوم منثور	کیفیت
۷۵	شکنتلا	کالیداس پریم پال اشک	مطبوعہ					منظوم	"سوشا ایک مطالعہ" کتاب میں درج ہے۔
۷۶	شکنتلا	کالیداس ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری	"		۱۹۴۳				نابھا ڈسٹرکٹ لائبریری میں ہے۔
۷۷	"	ساغر نظامی	"		۱۹۶۱	۲۵۶		منظوم	اسٹیٹ لائبریری چنڈی گڑھ میں ہے۔
۷۸	ترجمہ پوتھی جاتکا بھون	لالہ جگیوپال							اشتہار شوپران نولکشور
۷۹	ہت اپدیش	لال جی							" "
۸۰	اردو ترجمہ								اشتہار کتاب دیباچہ الکھ پرکاش کیدار ناتھ اینڈ سنز بک ایجنٹ میرٹھ شہر۔
۸۱	نیائے درشن	اردو							" "
۸۲	یوگ درشن اردو								" "
۸۳	اتو سنگھار کا منظوم ترجمہ اکسیر سخن	اردو پیارے لال کی	مطبوعہ		۱۹۱۳				پریم چند۔ کچھ نئے مباحث از ماکنگ ٹالا۔ صفحہ ۲۴۳۔ مقدمہ منشی پریم چند کا ہے۔
۸۴	شکنتلا کالیداس کا ترجمہ	راجہ شیو پرشاد							دیکھئے پریم چند۔ کچھ نئے مباحث صفحہ ۲۴۴۔
۸۵	وکرم اروسی کالیداس کا ترجمہ	مولوی محمد عزیز مرزا							" اردو معارف نمبر ا جلد ۱۰ اسکریٹ لائبریری میں ہے
۸۶	اتو سنگھار کالیداس ترجمہ	[illegible]							" ۲۴۳ دو تین دنوں کا ترجمہ نثر میں کیا تھا۔

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف مولف	مطبوعہ غیر مطبوعہ	تاریخ قلمی	سال طباعت نام پریس	صفحات	سائز	منظوم منثور	کیفیت
۸۷	سرچشمہ امرت پربھن گیان	اکتس اپنشد کا منشی رام پشنر			۱۹۲۴ کریمی پریس لاہور	۲۴۸	کتابی		پنجاب یونیورسٹی لائبریری
۸۸	میگھ دوت کالیداس	ششم برتی			یونیورسٹی پریس علی گڑھ	۷۰	۲۱×۳۴		دیکھئے نیشنل ببلوگرافی اوف انڈین لٹریچر ساہتیہ اکادمی صفحہ ۵۱۴
۸۹	شرون کمار	کشن چند زیبا			۱۹۱۸ آزاد بکڈپو امرتسر	۹۴	۱۸×۲۲		" " "
۹۰	ودیا ابھیمنو	"			"	۲۰۰	"		" " "
۹۱	ناٹک کتھا سنسکرت ڈراموں سے	نورالٰہی محمد عمر			محمد پبلیشرز جموں ۱۹۲۹ء	۱۰۴			" " ۵۴۷
۹۲	نل دمینتی	رام سروپ کوشل	مطبوعہ		لاجپت رائے اینڈ سنز	۱۷۸	۱۸×۲۲		" " ۵۵۰
۹۳	انوار سہیلی	واصفی اکبرآبادی	"						اردو کے ہندو مثنوی نگار از عطا کالوی صفحہ ۳۷۹
۹۴	ایکادشی مہاتم	عامل لاہوری	"						" " "
۹۵	وشنو سہسر نام	فرحت لکھنوی	"						" " "
۹۶	برندا بن	شعلہ حصاری	"						" " "
۹۷	پدم پران	فرحت لکھنوی							" " "
۹۸	پدم پوتھی	نوشتر لکھنوی							" " "

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف مولف	مطبوعہ غیر مطبوعہ	تاریخ قلمی	سال طباعت نام پریس	صفحات	سائز	منظوم منثور	کیفیت
۹۹	پریم ساگر	نزہت لکھنوی	مطبوعہ						اردو کے ہندو مثنوی نگار از عطا کاکوی صفحہ ۳۷۹
۱۰۰	سدا ما رنگ گھر	صدر لکھنوی	،،						،، ،، ۳۸۱
۱۰۱	سنگھاسن بتیسی	آرام شاہجہاں پوری	،،						،، ،، ،،
۱۰۲	،، ،،	چمن دہلوی	،،						،، ،، ،،
۱۰۳	،، ،،	رنگین لکھنوی	،،						،، ،، ،،
۱۰۴	،، ،،	ناتواں امالوی	،،						،، ،، ،،
۱۰۵	شکنتلا	اشک دہلوی	،،						،، ،، ،،
۱۰۶	کلیلہ دمنہ	بشاش بھوپالی	،،						،، ،، ۳۸۲
۱۰۷	انگو امواج	کنہیا لال انکو دھاری	قلمی			۱۳۹			دیکھئے فہرست نسخہ قلمی سبحان اللہ اورینٹل لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔
۱۰۸	شکنتلا	ساغر نظامی	مطبوعہ					منثور	نا کاکوی کے پاس ہے۔
۱۰۹	دشینت و شکنتلا	اقبال ورما سحر	،،			۱		،،	دیکھئے ادبی نا نکچے از ویرینشور پرشاد سکسینہ صفحہ ۸۲۔

اخبار علمیہ

حیدر آباد دکن کے آصف جاہی عہد کی یادگاروں میں ادارہ دی اسلامک کلچر بورڈ کا علمی ترجمان انگریزی مجلہ "اسلامک کلچر" بھی ہے، یہ قریباً ۰۰ سال سے علوم اسلامیہ کی خدمت میں مصروف ہے، ادھر چند برسوں سے بعض دشواریوں کی وجہ سے وہ پابندی سے شایع نہیں ہو رہا تھا، لیکن اب اس کے تازہ شمارہ سے معلوم ہوا کہ دشواریوں پر قابو پالیا گیا ہے جس کا اندازہ اسکی خوبصورت طباعت سے بھی ہوتا ہے، مضامین دیرینہ روایت کے مطابق ہیں، سید حسین نصر کی تحریر کے علاوہ یون یونیورسٹی کے جمال ملک کا ایک پُر از معلومات مضمون تحریک ندوۃ العلماء پر ہے، نائجیریا میں اسلام کے اثرات کے متعلق بھی ایک عمدہ مقالہ ہے اور ابو عبد الرحمٰن اسمٰعیل نیشاپوری کی کفایت التفسیر کے ایک نایاب نسخہ کا تعارف بھی ہے، جدید کتابوں کے تعارف میں امریکا سے شایع ہونے والی بروس بی لارنس کی کتاب "نظام الدین اولیاء اور امیر حسن کا روحانی ہارٹ" کا ذکر ہے، جو فوائد الفواد کا ترجمہ ہے اور بقول تبصرہ نگار نہایت شاندار ترجمہ ہے۔

کچھ عرصہ پہلے اقوام متحدہ کے ادارہ یونیسکو نے دنیا کی مختلف زبانوں کے متعلق اعداد و شمار پیش کیے تو معلوم ہوا کہ چینی اور انگریزی زبانوں کے بعد سب سے زیادہ بولی اور سمجھی جانے والی زبان اردو ہے، ہندوستان میں اردو زبان کی موجودہ حالت کے پیش نظر ممکن ہے یہ انکشاف باعث حیرت ہو لیکن اردو کے بعض غلو پسند شیدائیوں نے

اس کے بعض دلچسپ اور اہم اسباب پیش کیے مثلاً" دنیا کی بیشتر زبانوں کے مقابلہ میں اردو تحریر کم سے کم جگہ اور وقت لیتی ہے" اور یہ کہ" اس وقت اردو زبان ہی میں سب سے زیادہ اصوات کے حروف کا نظام مستعمل ہے' اس کے مقابلہ میں اطالوی زبان میں محض ۲۰ حروف رائج ہیں' فرانسیسی میں ۲۳' یونانی میں ۲۴' لاطینی میں ۲۵' انگریزی' جرمن اور ہسپانوی میں ۲۶' عربی میں ۲۸' فارسی میں ۳۲' روسی میں ۴۱ اور ہندی وسنسکرت میں ۴۹ حروف ابجد ہیں جبکہ اردو میں ۵۵ حروف رائج ہیں" یہ بھی لکھا گیا کہ مشہور ماہر لسانیات ولیم جانس نے مکمل زبان کی جو تعریف بیان کی ہے وہ صرف اردو پر صادق آتی ہے۔ اسی طرح یہ کہنا بھی غلط نہیں ہے کہ اس زبان میں دنیا کی ساری زبانوں کی آوازوں کے لیے حروف موجود ہیں' ایک اور خصوصیت یہ بھی ہے کہ مختلف زبانوں کے الفاظ وحروف اپنے لہجہ اور مخارج کے فرق کے باوجود اردو میں بآسانی جزو زبان ہو جاتے ہیں' اردو میں عام طور پر استعمال ہونے والے الفاظ کی تعداد تین لاکھ سے زیادہ ہے، اصطلاحی الفاظ کی تعداد اس کے علاوہ ہے' الفاظ کی اتنی بڑی تعداد بجز انگریزی کے دنیا کی اور کسی زبان میں نہیں' فاضل مضمون نگار ڈاکٹر محمد علی خاں نے ان خصوصیات کے علاوہ مصدر سازی کے عمدہ اصول' افعال معاون کے استعمال کی آسان صورتوں' ہم معنی الفاظ، مترادفات اور متضاد الفاظ کی کثرت اور اردو کے بین الاقوامی مزاج وغیرہ کو بھی اس زبان کے امتیاز وشرف کا سبب قرار دیا ہے۔

اردو کی جہاں گیری کی خوش کن خبروں کے باوجود ہندوستان میں اس کے حال و مستقبل کے متعلق فکر وتشویش کا اظہار اردو کے علاوہ انگریزی صحافت میں بھی

ہوتا رہتا ہے، حال ہی میں ایک اہم انگریزی ہفتہ وار اکانومک اینڈ پولٹیکل ویکلی کے مضمون میں بعض حقایق کا جائزہ لیا گیا، مثلاً" اب اردو عملاً مسلمانوں کی زبان بنکر رہ گئی ہے، بہار، مغربی بنگال' آندھرا پردیش اور مہاراشٹر کے ایک مفصل سروے سے معلوم ہوا کہ ان ریاستوں میں اردو زبان کی تعلیم حاصل کرنے والوں میں ایک بھی غیر مسلم نہیں ہے' یہاں تک کہ اختیاری مضمون کی حیثیت سے بھی کسی غیر مسلم طالب علم نے اردو کو پسند نہیں کیا، اس کے علاوہ اردو زبان کی تعلیم کے متعلق حکومت یا کسی نجی تعلیمی ادارہ کی جانب سے کوئی مستند اور تحقیقی روداد آج تک نہیں تیار ہو سکی' بلکہ آزادی کے بعد ہر حکومت نے اردو کو مٹانے والے ہی فیصلے کیے اور اب یہ عالم ہے کہ مہاراشٹر کے سوا اور تمام صوبوں میں اردو تعلیم جاں بہ لب ہے' متوسط اور کم آمدنی والے اور پست درمیانی طبقہ کے لوگ اردو تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ان کو سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے' اگر ثانوی درجات تک اردو تعلیم کا انتظام ہو بھی جاتا ہے تو بعد کے درجات میں انگریزی یا علاقائی زبانوں کے علاوہ تعلیم چھوٹنے کی وجہ سے یہ طلبہ بہت پیچھے رہ جاتے ہیں، یوپی میں یہ مسئلہ سب سے زیادہ نازک اور دردناک بنا ہوا ہے، پورے صوبہ میں اردو ذریعہ تعلیم کا ایک بھی پرائمری یا جونیر ہائی اسکول نہیں ہے' صرف دو اسکولوں میں ذریعہ تعلیم اردو ہے مگر ان کا تعلق علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ہے' مضمون نگار نے افسوس ظاہر کیا ہے کہ اس صوبہ میں آزادی کے بعد کی نسل عام طور سے اردو سے ناواقف ہے' سہ لسانی فارمولے نے شمالی ہند میں اردو کی تباہی میں سب سے بڑا کردار ادا کیا' سیاست دانوں کے کید و مکر نے اس ہندوستانی زبان کو صرف مسلمانوں کی زبان تک محدود کر دیا اور خود مسلمانوں کی بے حسی اور تغافل سے یہ جاں کنی کے مرحلہ میں ہے"۔

مذکورہ مضمون کے بعد ہندوستان ٹائمز میں خوشونت سنگھ کی ایک تحریر اس عنوان سے نظر آئی

کہ اردو کبھی مر نہیں سکتی" دلی کی ایک خاتون شاعرہ گیتا ٹھاکر روشنی کے پہلے مجموعۂ کلام کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے لکھا کہ "ہندوستان میں اردو کی بربادی کا نوحہ مسلسل کیا جارہا ہے، جزوی طور پر یہ صحیح بھی ہے طلبہ کی تعداد تیزی سے کم ہورہی ہے اور یہ خالص مسلمانوں کی زبان بنتی جاتی ہے، لیکن ایسے حالات میں عوامی سطح پر اسے فلمی نغموں اور مکالموں نے زندگی بخشی اور ایک ایسی نئی نسل سامنے آئی جس کی زبان اردو نہیں ہے لیکن اردو کی دلکشی اسکے الفاظ کی موسیقیت اور شاعری کی لطافت سے مسحور ہوکر اس نئی نسل نے پہلے تو دیوناگری رسم الخط میں اردو کا مطالعہ شروع کیا اور پھر اردو کے مزاج سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہونے کے لیے اردو کو اسکے اصل رسم الخط میں سیکھ لیا، گیتا ٹھاکر کا شمار اسی نئی نسل میں ہے،" انھوں نے اپنے شوہر دیپک کی نسبت سے اپنا تخلص روشنی رکھا۔

اپنی زبان سے محبت کرنے اور دوسروں کی زبان کی برتری اور اسکے اثرات سے خود کو محفوظ رکھنے کے لیے فرانسیسی قوم مشہور ہے، وقتاً فوقتاً وہاں ایسے قوانین بھی بنتے رہے ہیں، مثلاً [illegible] میں یہ طے ہوا کہ تمام سرکاری عمارتوں کے نام صرف فرانسیسی میں لکھے جائیں، اب اس میں عام مقامات مثلاً ریلوے اسٹیشن، کیفے اور ریستوران کو بھی شامل کرلیا گیا ہے اور ایک خبر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حکومت نے نشریات، اشتہارات اور دفتری مواصلات میں مناسب فرانسیسی الفاظ کے باوجود ان کی جگہ انگریزی الفاظ کے استعمال پر جرمانہ کی سزا تجویز کی ہے۔
ایک اخبار نے یہ خبر اس سرخی کے ساتھ شایع کی کہ "ثروت مند تو میری فرانسیسی زبان ہے"۔
ایک اخبار نے فرانس کے وزیر ثقافت کی اس خواہش کو نمایاں طور پر شایع کیا کہ انگریزی زبان کا ایک ایک لفظ ملک سے باہر کردیا جائے، یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ فرانس میں منعقد ہونے والی بین الاقوامی کانفرنسوں اور سیمناروں کی زبان بھی فرانسیسی ہی ہوگی، انگریزی کے شیدائی اب منتظر ہیں کہ فرانسیسی اس تبدیلی کو کس حد تک پسند کرتے ہیں کیونکہ مشہور ہے کہ فرانسیسی اپنی عادت مشکل ہی سے ترک کرتے ہیں۔

ع۔ ص۔

مطبوعات جدیدہ

فقہ اسلامی کی نظریہ سازی

از جناب ڈاکٹر جمال الدین عطیہ، متوسط تقطیع، بہترین کاغذ اور کتابت وطباعت، مجلد مع گردپوش، صفحات ۴۲۵، قیمت ۸۵ روپے، پتہ: قاضی پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز، وہ بی بلڈنگ، حضرت نظام الدین ویسٹ، نئی دہلی ۱۳۔

یہ کتاب فاضل مولف کے ان خطبات کا مجموعہ ہے جو انھوں نے قطر یونیورسٹی کے شریعت کالج میں فقہ اسلامی کے نظریات کے موضوع پر پیش کیے تھے، انھوں نے متقدمین فقہاء کے اصول وضوابط، ان کے اختلافات کا تفصیلی جائزہ لینے کے ساتھ دور حاضر کی قابل ذکر فقہی تحریروں کی خوبیوں اور خامیوں کا بھی ذکر کیا ہے اور آخر میں اس کے متعلق بعض مشورے اور تجویزیں بھی دی ہیں۔ فاضل مولف نے اس خیال کی بھی تردید کی ہے کہ شریعت محض فروعی احکام کے مجموعہ کا نام ہے، ان کے خیال میں فقہی کتابوں میں بنیادی اور اصولی فقہی نظریات بہت کم ہیں اور یہ بھی بکھرے ہوئے ہیں جنکی جمع و تدوین سے اس کمی کی تلافی ہوسکتی ہے لیکن یہ بڑی ریاضت و محنت کا کام ہے، اس سلسلہ میں ان کے خیالات دو حصوں یعنی اصول فقہ اور دیگر علوم شرعیہ میں منقسم ہیں، پہلے تو اصول فقہ میں تصنیف و تالیف کے طریقوں پر بحث کی ہے اور خاص طور پر حنفی اور شافعی اصولوں کی خصوصیات بیان کی ہیں اور ان کی اہم کتابوں کی نشاندہی کی ہے اور پھر دیگر علوم شرعیہ کا جائزہ لیا ہے، اس سلسلہ میں

بعض مباحث مثلاً "قواعد کا تجزیاتی مطالعہ"، "فروق"، "اختلاف فقہاء" وغیرہ سے فاضل مولف کے وسیع مطالعہ اور گہرے غور و فکر کا اندازہ ہوتا ہے، دور حاضر کی فقہی سرگرمیوں کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے کہ اب اپنے مسلک کی ترجیح و دفاع کے لیے تعصب کا رجحان کم ہو رہا ہے، غالباً ان کی یہ رائے عالم عرب کے فقہی مطالعہ کی بنیاد پر ہے کیونکہ ایک اور باب میں انھوں نے موجودہ زمانہ کی جن ۱۰ قابل ذکر کتابوں کا انتخاب کیا ہے ان میں غیر عربوں کی تصنیفات دو چار سے زیادہ نہیں ہیں، اس مفید کتاب کا ترجمہ اور زیادہ سلیس، رواں اور بہتر ہونا چاہیے تھا تاکہ اس کا فائدہ وسیع ہوتا۔

غالب کی بعض تصانیف

از جناب کالیداس رضا گپتا، متوسط تقطیع، بہترین کاغذ اور طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۱۸۳، قیمت ۸۰ روپے، پتہ: ساکار پبلیکیشنز پرائیوٹ لمیٹڈ، جولی بھون ۱/۱۰ نیو مرین لائنز، بمبئی ۲۰۰۰۴۔

غالبیات کی تلاش و تحقیق اور تدوین میں جناب کالی داس رضا گپتا کے کارنامے اظہر من الشمس ہیں، اب تک وہ اس موضوع پر ایک درجن سے زائد کتابیں شایع کر چکے ہیں، زیر نظر کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، اس میں دیوان غالب اور اس کی ایک شرح کنز المطالب کے علاوہ چند اور مصنفات و رسائل غالب پر مضامین ہیں، ایک مختصر مضمون میں غالب کی زندگی میں ان کی طبع ہونے والی کتابوں کی فہرست بھی دی گئی ہے، مثنوی بیان نمودار ہی کے سلسلہ میں ان کی یہ تحریر اس کا بھی ثبوت ہے کہ وہ سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں ہیں،

لکھتے ہیں "غالب نے خود یا کسی کے کہنے پر اس مثنوی پر نظر ثانی کی اور تین شعر حذف کر کے اور تیس شعر بڑھا کر پوری مثنوی ہتھیا لی پھر کسی توضیح کے بغیر اپنے کلیات فارسی مطبوعہ ۱۸۶۳ء میں شامل کر لی، فاضل مولف کا یہ خیال بیجا نہیں معلوم ہوتا کہ "غالب اور غالبیات کے مشتاق اس میں کام کی بعض باتیں تلاش کر ہی لیں گے"۔

سیرۃ نبوی اور مستشرقین

از ڈاکٹر عبد العلیم مرحوم، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ اور کتابت و طباعت، مجلد، صفحات ۱۶۴، قیمت ۶۰ روپے، پتہ: نصرت پبلشرز، امین آباد، لکھنؤ، یوپی۔

ڈاکٹر عبد العلیم مرحوم کی یہ مختصر تصنیف قریباً ۶۰ سال پہلے ۱۹۳۰ء میں شایع ہوئی تھی جو مشہور مستشرق ولہاوزن کے ایک مضمون بہ عنوان "محمڈنزم" کے رد و ابطال میں تھی، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں چھپے اس مضمون میں اس نے آنحضورؐ کی ذات گرامی کے متعلق وہ تمام اعتراضات جمع کر دیے تھے جو مغرب کے مستشرقین عام طور پر سیرت نبویؐ پر وارد کرتے ہیں، اب ان اعتراضوں کا لغو محض ہونا ثابت ہو چکا ہے اور خود موجودہ زمانہ کے مستشرقین کے لیے بھی یہ زیادہ کارآمد ہتھیار نہیں رہ گئے ہیں، مگر نصف صدی پہلے ان کی تلخی اور زہرناکی سخت اور شدید تھی جس کے پیش نظر ڈاکٹر عبد العلیم مرحوم نے ۲۰-۲۲ برس کی عمر میں اس مضمون کا ترجمہ کیا اور اس پر مفید تردیدی حواشی اور ایک مبسوط مقدمہ لکھ کر اس کی تلبیس و تدلیس اچھی طرح کر دیا تھا۔ کتاب کے طبع اول کا سرورق مطبع معارف اعظم گڈھ میں چھپا تھا، اس کا عکس زیر نظر طبع جدید میں بھی موجود ہے، اس مفید

کتاب کی اشاعت کے لیے جناب عابد سہیل شکریہ کے مستحق ہیں، ان کے قلم سے ایک تحریر بھی ہے، افسوس ہے کہ آیتوں کی کتابت میں اعراب کی چند غلطیاں رہ گئی ہیں۔

مکاتیب سر محمد اقبال بنام مولانا سید سلیمان ندوی مرتبہ جناب سید شفقت رضوی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ اور طباعت، مجلد، صفحات ۱۴۳، قیمت ۶۰ روپے، پتہ: مکتبہ شاہد ۱/۹ علی گڑھ کالونی، کراچی ۷۵۸۰۰، پاکستان۔

اس میں مولانا سید سلیمان ندوی کے نام علامہ اقبال کے وہ تمام منتشر خطوط جمع کر دیے گئے ہیں جو پہلے معارف میں شایع ہوئے تھے اور چند سال پہلے دار المصنفین کی شایع کردہ کتاب "مشاہیر کے خطوط" میں بھی جمع کر دیے گئے ہیں، لائق مرتب نے دونوں اکابر کے مختصر سوانح اور ایک دوسرے کے متعلق ان کی تحریروں اور تاثرات کو بھی سلیقہ سے یکجا کر دیا ہے، آخر میں کتاب میں مذکور ممتاز اشخاص پر مختصر معلوماتی نوٹ بھی دیے گئے ہیں۔

خطبات دہلی حصہ اول از جناب مولانا اخلاق حسین قاسمی، متوسط تقطیع بہتر کاغذ اور کتابت و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۱۸۰، قیمت درج نہیں، پتہ: مکتبہ رحمت عالم، شیخ چاند لال کنواں، دہلی۔

مولانا اخلاق حسین قاسمی وقتاً فوقتاً دینی، علمی اور ملی مسائل پر تحریر و تقریر کے ذریعہ اپنے خیالات کا اظہار کرتے رہتے ہیں، زیر نظر کتاب کا زیادہ حصہ ان کے سوانح پر مشتمل ہے جو خود ان کے اور کچھ دوسروں کے قلم سے ہیں، اسمیں ان کے مضامین و تصنیفات کی فہرست کے علاوہ ان کی ملی سرگرمیوں کا ایک خاکہ بھی درج ہے، گو خطبات یا مضامین کم ہیں لیکن دو مضمون آنحضور کی عبدیت کاملہ

اور غلبۂ حال اور حضرات انبیائے کرامؑ خاص طور پر لائق ذکر ہیں۔

مسلمان سائنسداں اور انکی خدمات از جناب مولانا ابراہیم عمادی ندوی مرحوم، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ اور کتابت و طباعت، مجلد، صفحات ۲۵۶، قیمت ۴۰ روپے، پتہ: مکتبہ الحسنات ۴۲۴۱، کوچہ چیلان، دریا گنج، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲۔

مسلمانوں کے زمانۂ عروج کی داستان پارینہ میں فلسفہ و حکمت اور سائنسی علوم میں ان کی شاندار خدمات بھی شامل ہیں، جن کو وقتاً فوقتاً ملت کے مردہ جسم میں نئی روح پھونکنے اور قومی سربلندی کے جذبہ کو ابھارنے کی غرض سے سنایا جاتا رہا ہے، یہ کتاب بھی اسی نیک مقصد کی خاطر لکھی گئی ہے، اس میں ۵۰ سے زائد مسلمان سائنسدانوں اور ان کے ایجادات و اختراعات کا ذکر ہے، مرحوم مصنف کو تعلیم و تدریس کا طویل تجربہ تھا اس لیے وہ قارئین کے ذوق اور نفسیات سے پوری طرح واقف تھے چنانچہ یہ کتاب سہل اور عام فہم انداز میں لکھی گئی ہے البیرونی کی کتاب کا ترجمہ ہر زبان میں بتانا مبالغہ سے خالی نہیں۔ یہ مفید کتاب دینی مدارس کے نصاب میں شامل ہونے کے لائق ہے۔

ہندوستان اور مسلمان از جناب مولوی محمد الیاس بھٹکلی ندوی چھوٹی تقطیع، عمدہ کاغذ اور کتابت و طباعت، مجلد، صفحات ۱۸۴، قیمت ۲۰ روپے، پتہ مکتبہ الحسنات، نئی دہلی۔

لائق مولف نے مدارس کے طلبہ کے لیے ایک کتاب "بین الاقوامی و اسلامی جغرافیہ" کے نام سے مرتب کی تھی جسے مقبولیت حاصل ہوئی، زیر نظر کتاب گویا

اس کا دوسرا حصہ ہے، اس میں ہندوستان کی جغرافیائی تفصیل کے ساتھ یہاں کے مسلمانوں کی آبادی، صنعت و تعلیم، حکومت اور انتظامی اداروں میں انکی شمولیت و شرکت کے متعلق معلومات درج ہیں، یہاں تک کہ جن مسلمانوں پر ڈاک ٹکٹ جاری ہوئے ان کی تفصیل بھی ہے، اس طرح یہ کتاب خاص طور پر طلبہ کے لیے مفید ہو گئی ہے۔

زندگی اے زندگی از جناب سید شکیل دسنوی، متوسط تقطیع، کاغذ اور کتابت و طباعت عمدہ، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۱۱۲، قیمت ۸۰ روپے، پتہ: موڈرن پبلشنگ ہاؤس ۹، گولا مارکیٹ، دریا گنج، نئی دہلی ۲۔۔۔۱۱۰۰۔

بہار کے خطہ دیسنہ کی خاک میں علم و ادب کا خمیر کچھ اس طرح شامل ہے کہ اسکے گلہائے تازہ سے اردو کے چمن کی رونق میں اضافہ ہوتا ہی رہتا ہے، نئے دسنوی شاعر کا زیر نظر پہلا مجموعہ صرف غزلوں پر مشتمل ہے، لیکن شاعر کے لہجہ کی سنجیدگی اور احتیاط و سلیقہ نے تازہ خیالات کو باوقار اور دلکش بنا دیا ہے۔

نالۂ نیم شبی از محترمہ ام ہانی، متوسط تقطیع، کاغذ و کتابت و طباعت بہتر، صفحات ۱۲۸، قیمت ۱۲ روپے، پتہ: مکتبہ اسلام کچہری روڈ، امین آباد لکھنؤ، یوپی۔

حمد و نعت، سلام و مناجات اور دوسری پُر اثر نظموں کا یہ مبارک مجموعہ ایک مشرقی شریف زادی کے حسن ذوق کی مثال ہے، اللہ و رسولؐ سے والہانہ تعلق و محبت اور ملت کی دردمندی کے اظہار کے لیے نالۂ نیم شبی سے بہتر عنوان اور کیا ہو سکتا ہے۔

(ع ۔ ص)